العطایا الالٰهیة فی الفتاویٰ البرکاتیة

المعروف

بفتاویٰ برکات

حصہ پنجم

مصنف

قاضی القضاۃ تاج الاسلام مفتی اعظم نیپال

حضرت علامہ مفتی جیش محمد صدیقی، برکاتی دام ظلہ العالی

صاحب سجادہ خانقاہ برکات لہنہ شریف

ناشر

مجمع البرکات اکیڈمی

خانقاہ برکات لہنہ شریف دھنوشا، نیپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب : فتاویٰ برکات (حصہ پنجم)

مصنف : تاج الاسلام، مفتی اعظم نیپال حضرت علامہ مفتی جیش محمد صدیقی، برکاتی صاحب قبلہ، قاضی القضاۃ صاحب سجادہ خانقاہ برکات، لہنہ شریف، نیپال

تصحیح : خلیفہ حضور شیر نیپال حضرت علامہ مفتی محمد احمد حسین برکاتی سربراہ اعلیٰ دارالعلوم غریب نواز باسکی بہاری

ترتیب جدید : حضرت مولانا مفتی محمد عبدالسلام امجدی، برکاتی (تارابٹی، نیپال) صدر المدرسین دارالعلوم برکاتیہ مدینۃ العلوم عیدگاہ محلہ، لہان ۵

طبع اول : ١٤٣٨ھ

ناشر : مجمع البرکات اکیڈمی، لہنہ شریف، نیپال

ملنے کے پتے

- خانقاہ برکات لہنہ شریف، دھنوشا، نیپال
- برکاتی منزل بکھری۔ بگھاری ہر سنڈ ہیتا مڑھی (بہار)
- دارالعلوم غریب نواز، باسکی بہاری، مدھواپور، مدھوبنی، (بہار)

فہرست مضامین

تخیلات مرتب	
کتاب الطھارۃ	
وضو میں اعضا کو ایک ایک بار دھونا فرض ۳،۲ بار سنت	
اعضائے وضو پر پانی بہانے کا مطلب	
فضول خرچی کا مسئلہ وہابیہ کو اب تک سمجھ میں نہیں آیا	
حائض پر روزہ کی قضا ہے نماز کی نہیں	
احکام شرعیہ کی پابندی کی جائے، اس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں	
دوپہر کو زوال کہنا غلط ہے	
زوال سورج ڈھلنے کو کہتے ہیں، یہ وقت ممانعت نہیں	
طلوع، غروب، استوا کو فقہا اوقات مکروہ کہتے ہیں	
جنازہ جب لایا جائے بلا کراہت پڑھ لینا جائز	
اگر چہ قصداً خودکشی کی ہو اس کی نماز جنازہ ہے	
کعبہ معظمہ اور تمام مساجد داخل جنت ہوں گے	
مساجد جنت کی کیاریاں ہیں	
امام کو در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے	
مسلمانوں کو بعد اذان اطلاع دینا تثویب ہے	
کلمات تثویب بحسب عرف ہے، جہاں جو رائج وہاں وہی بہتر	
۷۸۱ میں پیر کو بوقت عشا تثویب کا آغاز ہوا۔	

بعد اذان درود پڑھنا حدیث سے صراحتاً و قرآن سے اطلاقاً ثابت ہے	
۲۹ مقامات میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے	
اذان سے صرف اعلان ہی مقصود نہیں، دفع شیطان اور حصول برکات وحسنات بھی ہے	
صراح قراح، منتہی الارب میں "بلد" کا معنیٰ کیا لکھا ہے؟	
کن لوگوں سے ہدایت کی امید ہے کن سے نہیں؟	
اگر دعویٰ حنفیت میں سچا ہے تو فقہائے احناف کی کتابیں دیکھے	
بوقت اقامت مکبر کہاں اور نمازیوں کو کب کھڑا ہونا چاہیے اقامت بیٹھ کر سننا سنت، کھڑے ہو کر سننا کراہت اور احادیث و اقوال ائمہ کی مخالفت ہے۔ دلائل و براہین اور مزید تفصیلات کتاب میں ملاحظہ کریں	
رسالہ: تنویر الابصار بتوجیہ اقامۃ الاخیار۔	
اذا اقیمت الصلوٰۃ۔ الخ (الحدیث) کی نفیس توضیح	
علمائے سلف و خلف کا اختلاف کس بات میں ہے؟	
کھڑے ہو کر امام کا انتظار مکروہ ہے	
حضور علیہ السلام حجرہ شریف سے کب برآمد ہوتے تھے	
بقول فقہا حیّ علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا مذہب ہے	
مکبر جب اقامت کہہ چکے تب امام تکبیر کہے	
بوقت اقامت امام غیر حاضر ہو تو کب کھڑا ہو؟	
عہد رسالت سے اب تک کا معمول کیا ہے۔ بوقت تکبیر مقتدیوں کو کیا حکم ہے۔ جو بوقت تکبیر آئے وہ کیا کرے؟	
ناظرین کشمکش میں نہ پڑیں	

مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُورًا ۔الخ کس کے بارے میں ہے؟	
رسالہ: احسن الکلام فی القراءۃ خلف الامام	
امام غلطی کرے تو لقمہ دینا جائز	
وجوب سجدہ کے لیے توقف کی مقدار	
امام کے پیچھے قرآن پڑھنا جائز نہیں	
جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو (القرآن)	
وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ۔الخ کی تفسیر جمیل	
امام کی اقتدا کرو جب وہ تکبیر کہے کہو، اور جب وہ قرآن پڑھے تم چپ رہو اور غور سے سنو (الحدیث)	
مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے	
امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے پر ۱۵ آثار مبارکہ سے ثبوت ۸۰ صحابہ کرام نے پس امام قرأت کو منع فرمایا	
امام کے پیچھے قرأت کرنا قرآن شریف میں نزاع ہے	
فرمان رسول کے بعد امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے لوگ رک گئے	
غیر مقلدین سے پوچھیے	
امام کے پیچھے قرأۃ ممنوع و ناجائز ہے	
حدیث: "لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب" غیر مقلدین کا مدار مذہب ہے حالاں کہ اس سے خلف امام قرأت کا ثبوت نہیں قرآن و حدیث دونوں پر عمل پس امام ترک قرأت میں ہے	
مخالفین پر صاحب کتاب کے معارضے	
مسائل فروع میں گفتگو لاحاصل	

وہابیہ پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم	
وارکعوا مع الراکعین کا خطاب علمائے یہود کو ہے	
پارے، منزل، نصف، ربع، ثلاث، رکوع وغیرہ کے نشانات کب اور کیوں لگے اور شیطان کب روتا ہے	
شہادت امام کا مختصر واقعہ۔ غیر ضروری سوال پر سائل کو تنبیہ	
قرآن شریف کی موجودہ ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے	
ایام تشریق کا معنی	
زید نے نماز عید دوبارہ پڑھائی، ہوئی کہ نہیں؟	
جمعہ، عیدین، کسوف کی امامت نماز پنج گانہ کی طرح نہیں	
استحقاق امامت علی الترتیب تین طور پر ثابت ہوتا ہے	
بقدر ۳ تسبیح خاموش رہا تو سجدہ لازم	
بالغ کی امامت کے لیے بلوغ شرط ہے داڑھی نہیں	
بلوغ کی حد ۱۵ سال ہے	
نماز کی امامت، امامت صغریٰ ہے، اس کے لیے حسب و نسب کی شرط نہیں	
صلوا خلف من قال لا الٰہ الا اللّٰہ (الحدیث)	
جہاں امام معین جامع شرائط ہے وہاں وہی امامت کا حقدار	
مومن کی دل آزاری حرام قطعی ہے	
حالت حمل میں نکاح ہو سکتا ہے	
وہ مولوی نہیں خبیث طبیعت ہے، اس کے پیچھے نماز نہیں	
جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی طہارت	
اہل دیہات پر ظہر ہی فرض	

دیوبندی قاسمی امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟	
لاتجوز الصلوٰۃ خلف اهل الاهوا ائمہ ثلاثہ سے منقول ہے	
توبہ کے بعد بھی خود کو قاسمی لکھنا عیاری ہے	
ایک قاسمی کی دغابازی فریب کاری کا انکشاف	
توہین نبی باجماع مسلمین کفر ہے	
دشمن خدا و رسول سے نفرت کیسی ہونی چاہیے	
بدمذہبوں سے دور بھاگو	
تائب کے ساتھ بندوں کے معاملات تین قسم کے ہیں	
اطمینان توبہ کے لیے کتنی مدت درکار	
صبیغ تمیمی کی بدمذہبی پر فاروقی دُرّے	
حاکم یمن کو فاروقی نامہ	
زبانی توبہ پر حضرت علی کی تنبیہ	
سچوں کی توبہ میں ۶ چیزیں ہوتی ہیں	
توبۂ نصوح۔ علی الفور گناہ سے توبہ واجب۔ شرائط توبہ	
۷۳ میں ۷۲ دوزخی ایک برحق	
جماعت پھلواری ناریوں میں شامل ان سے بھی دوری فرض	
ایمان کے حقیقی ہونے کو دو باتیں درکار	
جماعت ثانیہ کے لیے اعادۂ اذان ناجائز۔ تکبیر میں حرج نہیں	
نسبندی حرام۔ چین کا پہننا ناجائز اور اس کا عادی فاسق، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔ چاندی انگوٹھی جائز دوسری دھاتوں کی ناجائز	
مدرسین غیر حاضری کے دنوں کی تنخواہ کا مستحق نہیں	

نذرانہ میں تین صورتیں ہیں	
تندرست، کسب پر قادر کو سوال واعطا حرام	
سائل جو مانگ کر جمع کرتا ہے وہ خبیث ہے	
کلمہ پڑھانے کے عوض لینا حرام پھیرنا واجب	
حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھوانا ناجائز	
مسجد قیام وطعام کے لیے نہیں بنی۔ اس میں کچا لہسن، پیاز کھا کر جانا۔ بدبو لے جانا روا نہیں	
جھوٹا مسئلہ بیان کرنا اشد کبیرہ اور شریعت پر افترا ہے	
امام متقی پر تہمت لگانے والا معافی مانگے	
باب الجمعہ رسالہ: تحقیق المسئلۃ فی الجمعۃ المبارکۃ	
دیہات میں جمعہ نہ فرض نہ صحیح نہ جائز بلکہ چند گناہ	
فقہی حنفی کی ۳۸ کتابوں سے دلائل و براہین	
باتفاق ائمہ احناف جمعہ کے لیے مصر (شہر) شرط	
شہر کی تعریف خود امام مذہب نے کی ہے	
مذہب حنفی کی ۲۶ کتب جلیلہ سے بالفاظ مختلفہ شہر کی تعریف	
مدعیان علم پر تعجب ہے	
جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے وہ ہمارے ائمہ کا قول نہیں	
فتاویٰ مختلف ہوں تو ظاہر الروایہ پر عمل واجب	
قول امام پر فتویٰ دینا واجب۔ اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں	
اگرچہ مشائخ مذہب قول صاحبین پر افتا کریں	

	تعریف جس پر صادق وہی شہر، وہیں جمعہ جائز، ائمہ ثلاثہ سے وہی ظاہر الروایہ، وہی مذہب امام وفقہائے اسلام
	عوام فتنہ نہیں اٹھاتی جب تک اس میں بے عمل مولوی اور جاہل پیر کا ہاتھ نہ ہو۔
	دیہات میں جمعہ نفل مکروہ۔ وہاں روز جمعہ بھی ظہر ہی فرض
	دفع فساد، رفع اختلاف کے لیے صاحب کتاب کا مشورہ
	اذا نودی للصلوٰۃ۔الخ کو مطلق مان کر دیہات میں جمعہ جائز کہنے والے پر مصنف کا مواخذہ
	"**جواثی**" شہر تھا۔ اس پر ۵ کتابوں کی شہادت
	حضور اقدس ﷺ نے مدینہ طیبہ میں جمعہ قائم فرمایا
	دور صحابہ میں فتوحات ہوئے مگر گاؤں، دیہات میں جمعہ قائم نہیں کیا گیا
	روز جمعہ گاؤں والے باری باری مدینہ منورہ آتے تھے
	ان الجمعة فرضت....قبل الهجرة
	حضور علیہ السلام نے قبا میں ۱۴ روز قیام فرمایا اور جمعہ قائم نہ کیا
	ظہر احتیاطی کا محل گاؤں، دیہات نہیں
	ظہر احتیاطی کی نیت، وقت اور محل
	گاؤں متصل ہونے، اپنے طور پر فیصلہ کرنے سے شہر نہیں ہوتا بلکہ یہ ضلع یا پرگنہ ہو اور وہاں والی ملک کا مقرر کردہ حاکم ہو
	مکھیا، پردھان، تھانہ دار ہونے سے کوئی جگہ مصر نہ ہوگا
	مسئلۂ امامت جمعہ وعیدین سے اکثر لوگ غافل ہیں
	استحقاق امامت علی الترتیب ۳ طور پر ثابت ہوتا ہے
	شرائط جمعہ

	فنائے مصر کی تعریف وتمثیل
	مسئلہ جمعہ کی یہ تحقیق اہل انصاف، طالب حق کو کافی ہے
	کور چشمی کا علاج کہیں نہیں
	۳ چھوٹی یا ایک بڑی آیت کا پڑھنا فرض اور پوری فاتحہ واجب، چھوٹی آیت کی مقدار
	دو سجدوں کے درمیان "**اللهم اغفرلی**" کہنا مستحب ہے
	نمازی دائیں بائیں سلام پھیرتے میں کس کی نیت کرے۔ معلم نے آیت سجدہ پڑھائی تو سجدہ کس پر واجب
	دیوبندی امام کو معزول کردینا فرض اس کے پیچھے کسی کی نماز صحیح نہیں۔ معیوب امام کو از خود برطرف ہو جانا ضروری
	طاعت وعبادت پر اجرت لینا، دینا حرام
	طاعت پر اجارہ حرام اور اجرت کی جہالت سے اجارہ فاسد
	فی الواقع اخذ اجرت بر تعلیم قرآن جائز ست وبر بقیہ طاعات بر اصل منع باقی است۔ اگر خواہند کہ شرط کنند وحلال باشد صورتش آن ست کہ....
	رسالہ: برکات المفاتیح فی رکعات التراویح
	۲۰ رکعت تراویح پر صحابہ، خلفاء، ائمہ اربعہ کا اتفاق واجماع
	۷۸ کتب احادیث وفقہ (متون، شروح، فتاوی، حواشی) سے دلائل وبراہین
	دور فاروقی میں مع وتر ۲۳ رکعت کا قیام ہوا
	حضور علیہ السلام ۲۰ پڑھتے تھے۔
	تہجد کی طرف مشیر ہے۔ کلام صدیقہ
	فاروق اعظم نے سب کو ایک امام کی اقتدا میں جمع فرمایا

حضور علیہ السلام نے تین رات تراویح پڑھائی ہے	
تراویح کی تعداد میں اختلاف ہوا ہے	
جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک تراویح ۵ ترویحہ ہے	
میں نے مدینہ میں ۳۹ اور مکہ میں ۲۳ پڑھتے دیکھا (امام شافعی)	
۲۰ سے کم کے قائل کوئی نہیں	
اصل تراویح حضور کی سنت ہے تمیم داری کی روایت میں سخت اضطراب، ۲۰ سے کم منسوخ و متروک۔ ۲۰ سے زائد سب نفل	
عليكم بسنتي وسنة الخلفاء. الخ (الحدیث)	
۲۰ رکعت تراویح فقہاء کی نظر میں	
سنت کی تعریف	
شیر خدا نے ۲۰ پڑھانے کا حکم دیا۔ حضرت عمر کے لیے دعا کی	
خلفائے راشدین نے ۲۰ پر مواظبت فرمائی۔ حضور علیہ السلام نے ترک مواظبت پر عذر بیان کیا۔	
باجماع صحابہ ۲۰ رکعت مرد و زن دونوں کے لیے مسنون	
اجماع کا منکر بدعتی مردود الشہادہ	
۲۰ رکعت تراویح کا راز	
باجماعت ۲۰ پر صحابہ کا اجماع	
تراویح سنت مؤکدہ ہے	
اس کا سنت ہونا فعل نبی علیہ السلام سے ثابت ہے	
باجماعت پڑھنے پر صحابہ نے اتفاق کیوں کیا؟	
دار العلوم دیوبند کا فتویٰ ۲۰ رکعت پر	

۲۰ کا انکار کسی طرح درست نہیں۔ ۸ کی بدعت غیر مقلدین نے جاری کی۔ ۸ رکعت باجماعت کہیں سے ثابت نہیں	
۲۰ رکعت کو "بدعت عمری" کہنا جہالت ہے	
خلفائے راشدین کی سنت واجب الاتباع ہے	
۲۰ سے کم پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہے	
صلاة التراويح عشرين ركعة. هو الحق (فتاویٰ ابن تیمیہ)	
غیر مقلدین کی کج بحثی اور کج روی	
شانِ فاروقِ اعظم۔ وقتِ اختلاف کیا کرنا چاہیے؟	
میرے بعد ابوبکر و عمر کی پیروی کرنا (الحدیث)	
صحابہ کی سنت پر عمل کرنا حضور ہی کی سنت پر عمل ہے	
یہ رسالہ انصاف پسندوں کے لیے نافع ہے	

فتاویٰ برکات حصۂ پنجم کی فہرست شب پنجم

رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ ۲۰ / ۱۲ بجے تمام شد بفضل اللہ تعالیٰ وعونہ

وصلی اللہ علی حبیبہ وبارک وسلم

احمد حسین برکاتی ۵/۹/۱۴۳۸ھ

نزیل کاٹھمنڈو بر مکان محمد ندیم واچھے میاں

تخیلات مرتب

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

فقیہ عصر، محقق دہر، محدث جلیل، عالم بے مثیل، بقیۃ السلف، عمدۃ الخلف حضور شیر نیپال حضرت علامہ الشاہ مفتی جیش محمد صدیقی برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ کی ذات بابرکات ہندو نیپال میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ برج اول کے آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن و تاباں، گلاب و چنبیلی کی طرح مہکتی ہوئی شخصیت آپ کی ہے۔ ملک و بیرون ملک کے اجلہ علماء و فقہا اور سادات و مشائخ آپ کی پرکشش، علمی شخصیت سے بہت قریب سے آشنا ہیں اور آپ کی دینی خدمات و کارناموں کے معترف ہیں۔ تقریبا تمام خانقاہوں میں آپ کی مقبولیت و پذیرائی ہے۔ مسلک و مذہب اور دین و سنت کی حفاظت و بقا، تحفظ و ترقی اور تبلیغ و اشاعت کے لئے جو نمایاں کردار ادا کیا ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آج ملک و بیرون ملک میں آپ کے ارشد تلامذہ کا قافلہ پھیلا ہوا ہے جو دین و سنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت میں شب و روز کوشاں ہیں۔ آپ کے تلامذہ مفتی و مفکر، محدث و محقق اور مختلف علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھنے والے ملک کے گوشہ گوشہ میں مختلف زاویوں سے دینی خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔

آپ نے تحریرا تقریرا دین و سنیت اور مسلک و مشرب کی نشر و اشاعت میں مثالی رول ادا کیا۔ دور دراز سے آنے والے مسائل کے حل کے لئے جامعہ حنفیہ غوثیہ میں دار الافتاء قائم کیا۔ آپ کے دار الافتاء میں ملک و بیرون ملک سے کثرت کے ساتھ استفتا آتے رہے اور آپ ہر استفتا کا شرعی جواب عنایت فرماتے رہے۔ شروع میں فتاوی کی حفاظت کا اہتمام نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے سینکڑوں فتاوے رجسٹر میں

درج نہ ہوسکے۔ بعد میں فتاوے کے عکس اور پھر ایک رجسٹر میں اندراج کا اہتمام کیا گیا۔ اکثر فتاوی کی نقل آپ کے ممتاز و ارشد تلمیذ و خلیفہ حضرت علامہ مفتی محمد احمد حسین برکاتی زید مجدہ السامی نے کی ہے۔ نقل فتاوی میں ترتیب فقہی کا خیال آپ نے پورے طور پر رکھا۔ بعد میں کچھ دنوں کے لئے نقل فتاوی کی ذمہ داری آپ کی عدم موجودگی میں جامعہ کے کسی دوسرے استاذ کے سپرد کردی گئی۔ جس نے اس ترتیب کا خیال نہیں رکھا۔ اور پھر جس حسن ترتیب کے ساتھ حاجی صاحب قبلہ نے نقل فتاوی کا کام انجام دیا تھا اس کے بگڑنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ ایک بار کسی شخص کو صاحب فتاوی حضور شیر نیپال دامت برکاتہم القدسیہ نے فوٹو کاپی کروانے کو کہا اس جناب نے اسی وقت رجسٹر لیکر فوٹو کاپی کروایا اور زیروکس کروانے میں تمام صفحات ادھر ادھر ہوگئے۔ بلکہ فوٹو کاپی میں صفحہ نمبر غائب ہی ہوگیا۔ اب نئے سرے سے ترتیب فقہی کے ساتھ ترتیب دینے کے لئے کافی وقت درکا تھا۔ ادھر احباب اور علماء کا اصرار تھا کہ فتاوی برکات کا ایک حصہ بھی چھپنا چاہئے۔ اسی عجلت میں ترتیب فقہی کی رعایت کے بغیر فتاوی برکات کا پہلا حصہ چھپ گیا۔ اور پھر چند سال بعد دوسرا حصہ بھی اسی انداز میں چھپا۔ جب میں اندور تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا اس بیچ حضور شیر نیپال دام ظلہ العالی سے ملاقات و بات چیت ہوتی رہی اور فتاوی برکات کی ترتیب جدید پر بھی تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ اخیر میں آپ نے اس کی ذمہ داری مجھے سپرد کی اگرچہ میں اس کے لائق نہیں تھا مگر اس امید کے ساتھ اس کام میں لگ گیا کہ آپ کی رہنمائی اور دعا شامل حال رہی تو انشاء اللہ یہ کام انجام پاسکتا ہے۔ شب و روز چند ماہ محنت و جانفشانی کے بعد یہ کام الحمد للہ ہوگیا۔ مگر اب بھی یہ ترتیب بہ چند وجوہ ناقص اور ادھوری ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ حصہ اول و دوم سے بالکل ممتاز اور جدا ہے۔ تیسرا اور چوتھا حصہ جدید ترتیب کے ساتھ اپریل ۲۰۱۶ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔ جس کو قارئین نے خوب پسند فرمایا۔ اب پانچواں حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ تیسرا اور

چوتھا حصہ کتاب العقائد پر مشتمل تھا اور پانچواں حصہ کتاب الصلوٰۃ پر۔ کتاب الصلوٰۃ کے کچھ مسائل چھٹا حصہ میں ہے جو انشاء اللہ آئندہ سال زیور طباعت سے آراستہ ہوکر آپ کی نگاہوں کا سرمہ بصیرت بن کر جگمگائے گا۔

اس حصہ میں تین مسائل بہت ہی تفصیلی اور دلائل و براہین سے آراستہ ہیں۔ اور نفس مسائل کی وضاحت و ثبوت میں ایسی جامع تحقیق ہے کہ مخالف کو بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ اہل سنت و جماعت کا کوئی بھی موقف قرآن و سنت اور اجماع امت کے خلاف نہیں ہے۔ (۱) بیس رکعت تراویح (۲) دیہات میں جمعہ کے بعد ظہر (۳) قراءت خلف الامام۔ یہ تینوں مستقل رسالے بھی ہیں۔

فتاویٰ برکات کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر فتاویٰ حضور شمس الاولیا کی نظروں سے گذرے ہیں اور آپ نے تصدیق بھی کی ہے۔ یوں تو حضور شمس الاولیا حضور شیر نیپال سے بہت محبت فرماتے تھے اور آپ کو صاحب فتاویٰ حضور شیر نیپال کی جودت تحقیق اور مہارت فقہ و فتاویٰ پر کافی وشافی اور کامل اعتماد تھا۔ اور آپ کے حسن کردار، عفت و پاکیزگی، کمال علم و ہنر اور مراتب روحانیہ پر فائز ہونے کا اعتراف تھا۔ آپ کو یقین تھا کہ نیپال میں اگر شریعت و طریقت کا کوئی جامع شخص ہے تو شیر نیپال مفتی جیش محمد صدیقی دامت برکاتہم القدسیہ ہی کی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت و طریقت کے علم سے آراستہ ہونے کے لئے آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ غلام جیلانی صاحب کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ جب حافظ صاحب روحانی تربیت کے لئے حضور شیر نیپال کے پاس آئے تو حضور شمس الاولیا نے محبت و عقیدت اور شفقت و رافت سے لبریز ایک مکتوب بھی ارسال فرمایا۔ وہ مکتوب گرامی جو حضور شمس الاولیا نے حضور شیر نیپال کے نام لکھا آپ بھی پڑھئے اور جھومئے۔

۹۲/ ۷۸۶

گرامی قدر علامہ مولانا شیخ الحدیث و شیخ طریقت، رہبر شریعت، حامی ملت،

قاضی شریعت، مفتی اعظم نیپال حافظ و قاری جیش محمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

گذارش خدمت اقدس اینکہ ۲۰ رذی الحجہ کو بارش ہونے لگی اس لئے حاضر نہ ہو سکا حافظ غلام جیلانی سلمہ ربہ کو خدمت عالیہ میں بھیج رہا ہوں، کاشت کاری کچھ باقی ہے کچھ دنوں بعد انشاء اللہ تعالیٰ بکرمہ حبیبہ اعلیٰ ﷺ حاضر خدمت ہوں گا۔ مجھاؤ والے کو میں نے خط لکھا تھا وہ لوگ آئے یا نہیں معلوم نہ ہو سکا۔ میرا خیال ہے کہ دو روز کے لئے آؤں گا اور وہیں سے ان لوگوں کو بلوا کر ہم لوگ تنازعہ دور کردیں گے۔ غلام جیلانی کو علم ظاہر و باطن سے نوازیں۔ زیادہ لکھنا آپ کے نزدیک اچھا نہیں۔ آپ کے حوالہ ہے بس باقی عند الملاقات۔ ۲۲ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ محمد شمس الحق رضوی اور حضرت مولانا محمد داؤد حسین آرہے ہیں۔ السلام علیکم۔ ایک خوشی کی بات یہ ہے کہ لہوریا کے سرپنچ صاحب پھلواری سے توبہ کرکے بیعت سید صاحب سے ہوگئے ہیں۔

ملک و بیرون ملک کے تمام مشائخ کرام نے آپ کی عظمت و تصلب دینی کا لوہا مانا اور آپ کے دینی ملی خدمات کو خوب سراہا۔ اور بڑے بڑے اعزازات و اکرامات سے نوازا۔ ۱۷ نومبر ۲۰۱۶ء میں قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے عرس کے موقع پر علماء و مشائخ کی موجودگی میں آپ کو "انٹرنیشنل قائد اہل سنت" ایوارڈ اور "مرجع الافتاء والارشاد" کا تکریمی خطاب دیا گیا۔

زیر نظر کتاب یعنی فتاویٰ برکات حصہ پنجم اسی عبقری شخصیت، سرمایہ افتخار قوم و ملت، قائد اہل سنت مفتی اعظم نیپال، قاضی القضاۃ حضور شیر نیپال دامت برکاتہم القدسیہ کی تحقیق کا مجموعہ ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب کے منصہ شہود پر جلوہ بار ہونے میں پوری کوشش خلیفہ حضور شیر نیپال الحاج الشاہ مفتی محمد احمد حسین برکاتی دام ظلہ العالی کی ہے۔ ان کے مساعی جمیلہ کے بغیر اس حصہ کا بلکہ فتاویٰ برکات کا آپ کے ہاتھوں میں پہنچنا ناممکن نہیں تو مشکل تر ضرور تھا۔ جتنی صعوبتیں اور دقتیں انہوں نے

اپنے پیر و مرشد اور استاذ و مربی کے لئے بے حرص و طمع اٹھائی ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ اتنا فرماں بردار اور خدمت گذار حضور شیر نیپال کے تلامذہ میں شاید ہی کوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ صاحب فتاویٰ مرشدی مخدومی استاذی حضور شیر نیپال دامت برکاتہم القدسیہ کے علم و عمل اور عمر میں برکتیں عطا فرمائے اور آپ کے تلمیذ ارشد فقیر سراپا تقصیر کے استاذ گرامی حضرت العلام مفتی محمد احمد حسین برکاتی اطال اللہ عمرہ کی کد و کاوش دینی کو قبول فرمائے۔ قلت وقت اور ذہنی الجھنوں کے سبب کتاب پر مزید تبصرہ نہیں کیا گیا جو سمجھ میں آیا ایک نشست میں لکھ دیا۔ قارئین کی بارگاہ میں التماس ہے کہ ترتیب میں کہیں خامی نظر آئے تو اطلاع فرما کر مشکور فرمائیں آئندہ اس کی تلافی ہو جائے گی۔

کتاب الطہارۃ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وضو میں تین بار اور تین بار سے زائد اور تین بار سے کم دھونا کیسا ہے؟ مجھے پورا عضو تین بار دھو لینے پر بھی تشفی نہیں ہوتی تو کیا مجھے تین بار سے زیادہ دھونے کی اجازت ہے؟ جواب بحوالہ کتب مع صفحہ عنایت فرمائیں۔

سائل محمد ظہیر الدین عفی عنہ علی پٹی مورخہ ۱۲ ر رجب ۱۳۹۶ھ

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب:

وضو میں جو اعضا دھونے کے ہیں انہیں تین مرتبہ دھونا سنت ہے **وعليه الاكثر و عليه الجمهور**۔ فقہ کی عند الحنفیہ مانی ہوئی کتاب مستطاب الہدایہ کے صفحہ ششم پر بصراحت مذکور ہے **تكرار الغسل الى الثلث**۔ اور کنز الدقائق صفحہ ۲ سطر ۳ مرمسطور ہے **تثليث الغسل** اسی کے تحت کنز کے حاشیہ پر تحریر ہے **تكراره ثلاثا سنة** یہی حکم یعنی اعضائے مغسولہ کو تین تین بار بشرط اسباغ و اکمال دھونا سنت ہے۔ وقایہ بشرح وقایہ ص ۶۰ قدوری ص ۳ نور الایضاح ص ۷ منیۃ المصلی ص ۲ بہار شریعت ص ۱۷ حصہ دوم غرض عامہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور ایک مرتبہ دھونا فرض ہے۔ اس طرح پر کہ عضو کے ہر ہر حصے پر پانی کا بہاؤ ہو جائے اگر کچھ بھی رہ گیا مثلاً بالوں کی جڑوں پر پانی بہ گیا اور ابھی بال کی نوک پر نہ بہا تو وضو نہ ہوا اور اگر بہا بھی تو ایک آدھ قطرہ تو اس سے بھی وضو ادا نہ ہوگا۔ اس امر کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔ بعض جہلا بلکہ علم و دانش کا دعویٰ کرنے والے جو اپنے کو علماء کہلاتے ہیں ان میں کے بھی بعض غفلت کے شکار ہیں۔ چلو میں پانی لے کر عضو کے کسی حصہ پر ڈال دیا کچھ پر پانی بہہ گیا پھر ہاتھ پورے عضو پر پھیر لیا ایسے ہی دوسرا تا تیسرا چلو لیکر ہاتھ پھیر لیا

اور سمجھا کہ تین مرتبہ ہو گیا حالانکہ ایک مرتبہ بھی نہ ہوا اس میں چلو کی گنتی نہیں بلکہ پورے عضو کے دھونے کی گنتی ہے کہ وہ تین تین مرتبہ ہو اگر چہ کتنے ہی چلوؤں سے ہو اور ہر مرتبہ پورے عضو پر پانی کا بہاؤ ہو جائے۔ دھونے میں کسی بال کی نوک بھی اگر رہ گئی اور صرف بھیگا اور پانی نہ بہا تو وضو نہ ہوگا۔ ہدایہ کتاب الطہارات میں: الغسل اسالۃ المآء یعنی دھونے کا معنی پانی کا عضو پر بہانا ہے نہ صرف عضو کو بھیگانا اور تیل کی طرح چپڑنا۔ اور شرح وقایہ کے حاشیہ پر غسل کا معنی ازالۃ الوسخ بامرار المآء یعنی پانی بہا کر میل کچیل صاف کرنا دھونے کا معنی ہے۔ ھدایہ کے حاشیہ پر عرب کا ایک محاورہ پیش کیا ہے کی جب بارش ہوئی پانی زمین کے خس و خاشاک کو بہا لے جائے تو اس موقع پر عرب بولتے ہیں غسلت المطر الارض یعنی بارش نے زمین کو دھو دیا۔ بہار شریعت حصہ دوم میں صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ: بعض لوگ ناک یا آنکھ یا بھوؤں پر چلو ڈال کر سارے منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ منہ دھل گیا حالانکہ پانی کا اوپر چڑھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس طرح دھونے میں منہ نہیں دھلتا اور وضو نہیں ہوتا اور دو مرتبہ دھونے کو بھی بعض حضرات نے سنت لکھا ہے۔ حاشیہ ھدایہ میں تکرار الغسل کے تحت لکھا ہے ان الاولی فریضۃ و الثانیۃ سنۃ و الثالثۃ فضیلۃ یعنی ایک بار دھونا فرض ہے اور دو بار دھونا سنت اور تین بار دھونا فضیلت ہے۔ اور کنز میں تثلیث الغسل سے متعلق حاشیہ پر مسطور ہے لکن المراد منہ ان الاولی رکن و الثانیۃ و الثالثۃ سنۃ وھذا ھو الصحیح۔ یعنی اول رکن دوم وسوم سنت ہے۔ اور منیۃ المصلی کے حاشیہ ششم پر ایک طویل گفتگو کے بعد تحریر ہے ثم المرۃ الاولی فرض والثانیۃ سنۃ والثالثۃ دونہا فی الفضیلۃ وقیل الثانیۃ سنۃ و الثالثۃ اکمال السنۃ یعنی پہلی مرتبہ فرض ہے دوسری سنت ہے اور تیسری فضیلت میں دوسری سے بڑھ کر ہے اور کہا گیا ہے دو مرتبہ دھونا سنت ہے اور تین مرتبہ کمال سنت ہے۔ حضرت

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو شاگرد رشید امام الائمۃ کشف الغمۃ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں اپنے موطا شریف میں ایک حدیث نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں الوضو ثلاثا ثلاثا افضل والاثنان یجزیان والواحدۃ اذا اسبغت تجزیٔ ایضاً وھو قول ابی حنیفۃ یعنی تین تین مرتبہ وضو کرنا افضل ہے اور دو دو مرتبہ کفایت کرے گا اور ایک ایک مرتبہ بشرط اسباغ کیا تو نیز کافی ہے اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے مگر جمہور فقہاء کا فتویٰ اس پر ہے کہ تین سے زیادہ یا کم نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں ضرورت کے باعث کم وبیش کر دیا تو حرج نہیں ہے۔

کنز الدقائق کے حاشیہ ششم پر ہے: لو زاد لطمانیۃ القلب عند الشك او نقص لحاجتہ فلا باس بہ۔ یعنی اگر تین پر زیادہ کر دیا شک کے وقت یا کسی ضرورت کے باعث تین سے کم کر دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور منیۃ المصلی کے حاشیہ پر تحریر ہے: یکرہ الزیادۃ علی الثلاث الا لضرورۃ لطمانیۃ القلب عند حصول الشك۔ یعنی شک کے حصول کے وقت قلب کے اطمینان کی خاطر تین پر زیادہ کرنا مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے۔

ھدایہ کے صفحہ ہشتم اور حواشی نمبر ششم پر لعدم رویتہ کے تحت محشی نے ترقیم کی ہے فلو رأہ وزاد لقصد الوضوء علی الوضوء او لطمانیۃ القلب عند الشك فلا باس بہ یعنی اگر تین مرتبہ دھونے کو سنت اعتقاد کرتا ہے اور تین پر زیادہ طمانیت قلب کے واسطے شک کے موقع سے کرتا ہے تو اس میں کسی طرح کا حرج نہیں ہے یا وضو علی الوضو کے ارادے سے تین پر بڑھایا جب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

بعض حضرات خواہ مخواہ اسراف و فضول خرچی کا دعویٰ کر دیتے ہیں۔ دعویٰ ہی نہیں بلکہ فتویٰ دیدیتے ہیں۔ جب تک حسن نیت ہو ہرگز فضول میں داخل نہ ہوگا، فضول خرچی کا مسئلہ تو وہابیہ دیابنہ وغیرہا فرقِ باطلہ خذلہم اللہ تعالیٰ کو آج تک سمجھ میں نہیں آیا۔ موم کی بتی جلائیں تو فضول خرچی، اگر کی بتی جلائیں تو اسراف، عود کی دھونی

دیں تو ممنوع، تقسیم شیرینی ہو تو ناجائز۔ ہم اہل سنت و جماعت کو بفضلہ تبارک وتعالیٰ بکرم حبیبہ الاعلیٰ علیہ اکمل الصلوت و ازکی التحیات مسئلہ اسراف کتاب وسنت کے مطابق خوب سمجھ میں آیا ہے۔ صلاح وفلاح کی خاطر اصلاح ابدان بلکہ تزئین مکان و بلدان کی خاطر صرف کیا جائے جب بھی فضول خرچی نہ ہوگا سب اپنی جگہ محقق و شرح ہیں۔ اگر قلم کا رخ اس طرف پھیر دیا جائے تو ایک کتابچہ ہو جائے۔ ہاں بلا وجہ صرف ضرور فضول ہے۔ یہاں تک کہ فقہاء نے فرمایا ہے چلو میں پانی لیتے وقت خیال رکھیں۔ اتنا زیادہ پانی نہ لیں کہ چلو سے گرے کہ اسراف ہوگا۔ اسی طرح ضرورت سے زیادہ پانی لینا اسراف میں داخل ہوگا۔ مثلاً ناک میں پانی ڈالنے کے لئے آدھا چلو پانی کافی ہوگا تو پورا چلو نہ لیں کہ اسراف ہوگا۔ مگر اتنا کم خرچ کرنا کہ سنت ادا نہ ہو مکروہ ہے۔ خود عاصی پر معاصی نے اپنی آنکھوں سے ایسے بہتیرے حضرات کو دیکھا ہے کہ دوسرے کاموں میں تو بخوبی پانی خرچ کرتے ہیں اصلا لحاظ و پاس اسراف کا نہیں کرتے مگر جب وضو وغسل کی باری آتی ہے تو ان سے کہا جائے بطریق اسباغ واکمال کیجئے تو کہنے لگتے ہیں یہ فضول خرچی ہے۔

خداوند کریم جل وعلیٰ اپنے حبیب مکرم نور مجسم ﷺ کے طفیل ہم سب کو صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعلمین علیہ و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین افضل صلوۃ رب السموات والارضین۔ قلیل البضاعت نے جو کچھ تحریر کیا عاملین کے لئے کافی ووافی ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اجل واتم واحکم وھو المولیٰ والموفق للسداد ومنہ الھدایۃ والرشاد۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت جب حیض میں مبتلا ہوتی ہے تو وہ نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے لیکن جب وہ پاک ہو جاتی ہے تو حکم ہے کہ روزہ کی قضا کرے اور نماز کی نہیں تو ایسا کیوں جب

دونوں فرض عین ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ والسلام

محمد مشتاق احمد البرکاتی نیپال

الجواب بعون الملک الوہاب: ھدایہ اولین باب الحیض والاستحاضۃ میں ہے:

والحیض یسقطہ عن الحائض الصلوۃ ویحرم علیھا الصوم وتقضی الصوم ولاتقضی الصلوۃ لقول عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کانت احدانا علیٰ عھد رسول اللہ ﷺ اذا طھرت من حیضھا تقضی الصیام ولاتقضی الصلوۃ ولان فی قضاء الصلوۃ حرجا لتضاعفھا ولاحرج فی قضاء الصوم۔

حیض حائض سے نماز کو ساقط کر دیتا ہے اور روزہ کو اس پر حرام کر دیتا ہے اور روزہ کی قضا کرے نماز کی نہیں، اس لیے کہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ ہم میں جس کسی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں حیض ہوتا اور جب اپنے حیض سے پاک ہوتی تو روزے کی قضا کرتی نماز کی نہیں اور یہ اس لیے کہ نماز کی قضا کرنے میں حرج ہے اس کی متضاعف ہونے کے باعث اور روزے کی قضا میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور مسلم شریف ج:۱ص:۱۵۳ پر ہے:

عن معاذۃ قالت سألت عائشۃ فقالت مابال الحائض تقضی الصوم ولاتقضی الصلاۃ فقالت احروریۃ انت قلت لست بحروریۃ ولکنی اسأل قالت کان یصیبنا ذالک فنومر بقضاء الصوم ولانومر بقضاء الصلاۃ۔

حضرت معاذہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ حائضہ روزے کی قضا کرے اور نماز کی نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تو خارجیہ ہے میں نے عرض کیا کہ میں حروریہ (خارجیہ) نہیں ہوں لیکن میں

پوچھتی ہوں۔ فرمایا کہ یہ بات ہمیں بھی درپیش ہوتی (یعنی حیض آتا) تو روزوں کی قضا کا حکم ہوتا اور نمازوں کی قضا کا حکم نہ ہوتا۔ مطلب یہ کہ احکام شرعیہ کی پابندی کی جائے اس بحث میں نہ پڑی جائے کہ کیوں ایسا ہے چوں وچرا کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ شرع کا حکم کسی نہ کسی مصلحت سے ہوتا ہے خواہ وہ مصلحت ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو۔ خداوند کریم جل وعلیٰ کا فضل وعنایت ہے کہ نماز کی قضا حائض سے معاف کردی ورنہ بڑا حرج واقع ہوتا اس لیے کہ نماز روزانہ پانچ مرتبہ فرض ہے۔ سال بھر میں سیکڑوں نماز کی قضا کرنی پڑتی اور رمضان تو سال میں ایک ہی بار آتا ہے، چار، پانچ یا زیادہ سے زیادہ دس روزے کی قضا کچھ مشکل نہیں۔ اسی کی طرف صاحب ہدایہ وعنایہ وکفایہ اور صاحب فتح القدیر نے اشارہ فرمایا ہے: **واللفظ للھدایہ لافی قضاء الصلاۃ حرجا لتضاعفھا ولاحرج فی قضاء الصوم واللہ اعلم۔**

کتاب الصلوٰۃ

۹۲/۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں بینوا وتوجروا

(۱) زید کا کہنا ہے کہ زوال صرف دوپہر میں ہے اور آفتاب ڈوبتے وقت اور نکلتے وقت زوال نہیں بلکہ وقت مکروہ ہے۔

(۲) زید کا کہنا ہے کہ وقت مکروہ میں اگر جنازہ لایا گیا تو اس کی نماز پڑھنا ناجائز اور وقت زوال یعنی نصف النہار میں لایا گیا تو پڑھنا جائز ہے۔

(۳) احمد کا کہنا ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ جائز نہیں۔

(۴) زید کا کہنا ہے کہ بروز قیامت جب ساری دنیا فنا ہو جائے گی تو کیا مسجد بھی فنا ہو جائے گی؟ اور اگر نہیں تو مسجد کس شکل میں اٹھا لئے جائیں گے۔

(۵) زید کا کہنا ہے کہ محراب کے اندر اگر امام کھڑا ہو جائے تو مقتدی کی نماز

جائز نہیں۔ تو کیا محراب کے سامنے صحن دروازے میں امام کھڑا ہو۔ اور مقتدی صحن میں اس صورت میں نماز جائز ہے۔

سائل العبد محمد مستقیم احمد برکاتی

۹۲/۸۶ء

الجواب: بعون الملک الوھاب

(۱) دوپہر کو وقت زوال کہنا غلط ہے ایسے وقت کو استوا یا نصف النہار کہنا چاہیے زوال سورج ڈھلنے کو کہتے ہیں یہ وہ وقت ہے کہ ممانعت کا وقت نکل گیا اور ظہر کا وقت شروع ہوگیا۔ بخاری شریف جلد اول ص ۷۷ پ ۳ میں ہے **ویصلی الظھر اذا زالت الشمس.** حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر زوال آفتاب کے وقت یعنی سورج کے ڈھلنے کے وقت پڑھتے تھے۔ اور ہدایہ اولین کتاب الصلوٰۃ ص ۶۴ میں ہے:

واول وقت الظھر اذا زالت الشمس لامامۃ جبریل علیہ السلام فی الیوم الاول حین زالت الشمس. اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۱۸۵ پر فرماتے ہیں زوال تو سورج ڈھلنے کو کہتے ہیں یہ وہ وقت ہے کہ ممانعت کا وقت نکل گیا اور جواز کا آیا **کما صرح بہ فی البحر عن الحلیۃ** تو وقت ممانعت کو زوال کہنا صریح مسامحت ہے اور غایت تاویل مجاز مجاورت بلکہ اسے وقت استوا کہنا چاہیے یعنی نصف النہار کا وقت انتہی۔

بالا بیان سے اظہر من الشمس ہوگیا کہ دوپہر کا وقت وقت زوال نہیں بلکہ وقت استوا ہے اسی کو نصف النہار کہتے ہیں اسی وقت استواء میں کوئی نماز جائز نہیں۔ اور جب دوپہر کا وقت زوال کا وقت نہیں تو طلوع وغروب کے اوقات بھی اوقات زوال نہیں ہو سکتے ہاں ان تینوں وقتوں میں کوئی نماز جائز نہیں نہ فرض نہ واجب نہ نفل نہ قضا۔ **ھدایۃ اولین جلد ۱ ص ۶۸** میں ہے **لاتجوز الصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولا عند قیامھا فی الظھیرۃ ولا عند غروبھا لحدیث عقبۃ**

بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عبارت میں بھی دوپہر کے وقت کو زوال نہ کہا گیا بلکہ قیام کہا گیا جو استوا کے معنی میں ہے۔ حاصل یہ کہ فقہائے کرام استواء اور طلوع و غروب کے اوقات کو اوقات مکروہ کہتے ہیں ان تینوں میں سے کسی کو زوال کا وقت نہیں کہتے واللہ اعلم بالصواب۔

(٢) جنازہ جس وقت بھی لایا جائے چاہے طلوع کا وقت ہو یا غروب کا چاہے نصف النہار کا اسی وقت پڑھ لینا بلا کراہت جائز ہے۔ کراہت اس صورت میں ہے کہ پیشتر سے تیار موجود ہے اور تاخیر کی کہ وقت کراہت آگیا۔

فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ٢٧ میں ہے:

ھذا اذا وجب صلاۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ فی وقت مباح واخرتا الی ھذا الوقت فانہ لایجوز قطعاً۔ امّا لو وجبت فی ھذا الوقت وادیتا فیہ جاز۔

اور در مختار ج ا ص ٢٧٥ میں ہے:

فلو وجبت فیھما لم یکرہ فعلھما ای تحریماً وفی التحفۃ الافضل ان لاتوخر الجنازۃ۔

اور ردالمحتار میں ہے:

(قولہ وفی التحفۃ الخ) ھو کالاستدراک علیٰ مفھوم قولہ ای تحریماً فانہ اذا کان الافضل عدم التاخیر فی الجنازۃ فلا کراھۃ اصلاً وما فی التحفۃ اقرہ فی البحر والنھر والفتح والمعراج حدیث ثلاث لایوخرن منھا الجنازۃ اذا حضرت انتھیٰ۔

فتاویٰ رضویۃ ج٣ ص ٥٢ پر ہے:

صلاۃ الجنازۃ مشروعۃ فی کل وقت حتی فی الاوقات الثلاثۃ ان حضرت فیھا۔ اور بہار شریعت جلد ٣ ص ٢٠ جنازہ اگر اوقات ممنوعہ میں لایا گیا تو

اسی وقت پڑھیں کوئی کراہت نہیں کراہت اس صورت میں ہے کہ پیشتر سے تیار موجود ہے اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقت کراہت آگیا۔

ماسبق: معلوم ہوا کہ وقت زوال نصف نہار نہیں بلکہ اس کے بعد ہے جس میں ہر نماز جائز ہے۔ واللہ اعلم

(٣) اس کا کہنا غلط ہے بلکہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

درمختار ج ا ص ٦٤٣ میں ہے:

من قتل نفسہ ولو عمداً یغسل ویصلی علیہ بہ یفتی اور عالمگیری ج ا ص ٨٣ پر ہے۔ ومن قتل نفسہ عمداً یصلی نفسہ عمداً یصلی علیہ عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ وھو الاصح کذا فی التبیین۔

اور فتاویٰ افریقہ ص ٧٣ میں ہے:

اس کے یعنی خودکشی کرنے والے شخص کے) جنازے کی نماز پڑھی جائے گی اور بہار شریعت ج ٤ ص ١٤٥ میں ہے جس نے خودکشی کی حالاں کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے مگر اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی اگرچہ قصداً خودکشی کی ہو واللہ اعلم بالصواب۔

(٤) ملفوظات اعلیٰ حضرت ج ٤ ص ٦٧ میں ہے:

عرض: حضور روالا یہ صحیح ہے کہ کعبہ معظمہ جنت میں جائے گا۔ ارشاد: ہاں کعبہ معظمہ اور تمام مساجد۔

اور فتاویٰ رضویہ جلد ششم ج ٦ ص ٤٢١ میں ہے:

مسجد کی نسبت ایک حدیث روایت کی جاتی ہے روز قیامت تمام مساجد کی زمین جمع کر کے داخل جنت کی جائے گی تذھب الارضون کلھا یوم القیامۃ الا المساجد فانھا ینضم بعضھا الی بعض قال الشراح ای فتصیر بقعۃ فی الجنۃ۔ اور یہ تو صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ اذا سبحن اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم جنت کی کیاریوں

پر گزرو تو ان میں چرو، ان کا میوہ کھاؤ۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں فرمایا مسجدیں عرض کی گئی وہ چرنا کیا ہے؟ فرمایا یہ کہنا۔ سبحٰن اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر رواہ الترمذی وغیرہ عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مگر حدیث محتمل تاویل ہے اور پہلی روایت میں سخت تعلیل ہے اور مسجد کے قریب اصلاً کسی حصہ کا جنت سے ہونا وارد نہیں واللہ اعلم۔

(۵) فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۱۳ میں ہے:

امام کو در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے: فی ردالمحتار عن المعراج الدرایۃ عن سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین۔

پھر امام ومقتدیان کا درجہ جداگانہ ہونا کہ امام درجہ مسقف میں ہے اور سب مقتدی صحن میں یہ دوسری کراہت ہے کما فی جامع الرموز۔ پھر اگر در کی کرسی صحن سے بقدر امتیاز بلند ہوتی تو یہ تیسری کراہت۔ کما فی الدر المختار۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

۵/۵/۱۴۱۱ ہجری

تثویب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ تثویب جدید بین الاذان والاقامۃ" بدعت حسنہ ہے اور بدعت حسنہ کا ایجاد امر مستحسن ہے اور ان کا ایجاد ان مسلمان سلاطین کے لئے تھا جو اذان سن کر آنے میں سستی کرتے اور اذان بہترین اعلان ہے اور اس زمانہ حال میں مصلی کی سماع کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا بھی انتظام ہے اور قریہ میں محدود مصلی ہوتے ہیں اور آبادی بھی قلیل ہوتی ہے جس کے لئے اذان ہی کافی ہے مزید جماعت کا وقت ہی معین شدہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری، ص ۵۳ میں ہے: "التثویب حسن عند المتأخرین فی کل صلوۃ الا فی المغرب ھکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی المکارم وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلاۃ بین الاذان و الاقامۃ و انما یحصل ذلک بما تعارفوہ کذا فی الکافی۔" عبارت مذکورہ میں بلد کا اطلاق قریہ پر کیسا ہے؟ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبدالحفیظ نوری

خادم الطلبہ دارالعلوم غوثیہ حمایت الاسلام نوری محلہ فتحپور؟، ضلع سیتامڑھی (بہار) مورخہ ۱۹/۸/۱۴۰۹ھ

☆☆☆

الجواب: بعون الملک الوھاب: مسلمانوں کو نماز کی اطلاع اذان سے دے کر پھر دوبارہ اطلاع دینا تثویب ہے اور وہ آبادی کے عرف پر ہے جہاں جس طرح مکرر رائج ہو وہاں وہی بہتر بریلی شریف بمبئی وغیرہ میں بعد اذان جماعت سے پہلے بآواز بلند یہ کلمات طیبات کہے جاتے ہیں: "الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ الصلوٰۃ و السلام علیک یا حبیب اللہ الصلوٰۃ و السلام علیک یا خیر خلق اللہ الصلوٰۃ و السلام علیک یا شفیع المذنبین و الصلوٰۃ و السلام علیک یا رحمۃ للعٰلمین الصلوٰۃ و السلام علیک یا سید المرسلین۔" بعض مقامات پر ان کلمات طیبات کے ساتھ الصلوٰۃ و السلام علیک یا عیسٰی روح اللہ الصلوٰۃ و السلام علیک یا موسٰی کلیم اللہ الصلوٰۃ و السلام علیک یا آدم صفی اللہ وغیرہ۔" درمختار ج ۱، ص ۲۸۷ پر ہے: "التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ و احدی و ثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین

ثم یوم الجمعة ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیہا مرتین و ھو بدعة حسنة۔" یعنی اذان کے بعد حضو پر نور سید المرسلین شفیع المذنبین علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات پر درودو سلام پیش کرنا ۷۸۱ میں پیر کو عشاء کے وقت شروع ہوا پھر یوم جمعہ مبارک کو پھر دس سال بعد سوا مغرب کے ہر نماز پنج گانہ کے وقت پھر مغرب میں بھی دو مرتبہ اور یہ بدعت حسنہ ہے۔

اور مشکوٰۃ شریف ج ۱، ص ۶۴ پر ہے: "عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علی فانه من صلی علیّ صلوٰۃ صلی الله علیه بها عشر اثم سلوا الله لی الوسیلة فانها منزلة فی الجنة لاینبغی الا لعبد من عباد الله و ارجو ان اکون انا هو فمن سئل لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة رواه مسلم۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاص سے مروی ہے آپ نے فرمایا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جب تم موذن سے سنو تو تم بھی اسی طرح جواب میں کہو جو وہ کہہ رہا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے میرے واسطے وسیلہ کی دعا کرو وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک ہی کے لائق ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں تو جو میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔ مسلم شریف

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعد درود شریف کا پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔ اور سنت ہے اور یہ بھی کہ درود شریف پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "ان الله و ملئکته یصلون علی النبی یایها الذین امنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما۔" (پ ۲۲، ع ۴) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے

درود بھیجتے ہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اے ایمان والو! ان پر تم بھی درود اور خوب سلام بھیجو۔ قرآن شریف کی آیت کریمہ کے اطلاق سے ثابت کہ درود شریف کے لئے کوئی وقت یا جگہ متعین نہیں جب چاہے پڑھے کوئی ممانعت نہیں بلکہ جہاں تک ممکن ہو درود شریف پڑھنا ہر جگہ ہر وقت مستحب ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ان جگہوں میں روز جمعہ، شب جمعہ، صبح وشام، مسجد میں جاتے اور نکلتے، بوقت زیارت روضہ اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صفاو مروہ پر خطبہ میں جواب اذان کے بعد اور بوقت اقامت دعا کے اول اوسط آخر میں دعائے قنوت کے بعد، حج میں لبیک سے فارغ ہونے کے بعد اجتماع وافتراق کے وقت وضو کرتے وقت جب کوئی چیز بھول جائے اس وقت وعظ کہتے وقت اور پڑھتے اور پڑھاتے وقت خصوصاً حدیث شریف پڑھنے کے اول آخر سوال وفتویٰ لکھتے وقت، تصنیف کے وقت، نکاح ومنگنی اور جب کوئی بڑا کام کرنا ہو وغیرہ وغیرہ کہ درود شریف پڑھنے کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو جو موقع ملے غنیمت جانے اور تحصیل برکات وحسنات کے لئے ضرور پڑھے۔ ردالمحتار میں ہے: "کل الاعمال فیها المقبول المردود الا الصلوٰۃ علی النبی صلی الله عیه وسلم فانه مقبولة غیر مردودة۔" درمختار میں ہے: "سنة فی الصلوٰۃ و مستحبته فی کل اوقات الامکان و فی رد المحتار و قوله و سنة فی الصلاة ای فی قعود اخیر مطلقاً و کذا فی قعود اول فی النوافل غیر الرواتب تأمل و فی صلاة الجنازة قوله و مستحبته فی کل اوقات الامکان ای حیث لامانع نص العلماء علی استحبابها فی مواضع یوم الجمعة و لیلتها وزید یوم السبت و الاحد والخمیس لما ورد فی کل من الثلثة و عند الصباح و المساء و عند دخول المسجد و الخروج منه و عند زیادة قبره الشریف صلی الله علیه وسلم و عند الصفا و

المروۃ و فی خطبۃ الجمعۃ وغیرھا و عقب اجابۃ المؤذن و عند الاقامۃ و اول الدعاء و اوسطہ و آخرہ وعقب دعاء القنوت و عند الفراغ من التلبیۃ و عند الاجتماع و الافتراق و عند الوضوء و عند نسیان الشیٔ و عند الوعظ و نشر العلوم و عند قرائۃ الحدیث ابتداء و انتہاء و عند کتابۃ السوال و الفتیا و لکل مصنف و دارس و مدرس و خطیب و خاطب و متزوج و مزوج و فی الرسائل و بین یدی سائر الامور المھمۃ و عند ذکر و سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم او کتابتہ عند من لا یقول بوجوبہا کذا فی شرح الفاسی علی دلائل الخیرات ملخصاً و غالبہا منصوص علیہ فی کتابنا و فی الدر المختار و رد المحتار عند الطحاوی و تکرارہ ای الوجوب کلما ذکر ولو اتحد المجلس فی الاصح الی ان قال ثم قال فتکون فرضاً فی العمر و واجباً کلما ذکر علی الصحیح."

ان بالا تصریحات سے یہ بھی واضح ہے کہ اذان کے بعد اور اقامت سے قبل درود شریف کا پڑھنا مستحب ہے اور عمر میں ایک مرتبہ فرض اور جب جب نام پاک سنے تو واجب اور نماز میں قعود اخیرہ میں مطلقاً اور نوافل میں غیر رواتب کے قعود اول میں بھی اور نماز جنازہ میں سنت ہے۔

حاصل یہ کہ ہمارے بلاد میں جو تثویب رائج ہے وہ درود شریف ہے اور اس کا پڑھنا باعث ثواب ہے اور موجب برکت اور احادیث کریمہ میں پڑھنے کے جو فوائد و فضائل وارد ہیں ان کا یہ مستحق تو صورت مسئولہ میں اعلام بعد اعلام کی نیت سے نہ پڑھے بلکہ ثواب کی نیت سے پڑھے جس طرح تنہا نمازی بھی اذان دے کر نماز پڑھے چاہے آبادی میں، اپنے گھر میں، چاہے غیر آباد جنگل بن میں کہ وہاں اعلان مقصود نہیں ہوا بلکہ ذکر حسن سے ثواب حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اگر اذان سے صرف اعلان ہی مقصود ہوتا تو جس وقت سارے نمازی حاضر ہوں تو اس وقت

اذان کی کیا ضرورت بلکہ اقامت کی بھی کیا حاجت کہ اس سے بھی اعلان مقصود ہے کہ جماعت کھڑی ہوگئی اگر اعلان ہی مقصود ہوتا تو خنثی اور فاسق اور نشہ والے اور پاگل اور ناسمجھ بچے اور جنب، بدمذہب وغیرہ کی اذان کے اعادہ کا کیوں حکم ہے غیر حاضر لوگوں کے لئے بھی اذان کی کیا ضرورت تقریباً سب کے پاس گھڑی رہتی ہے وقت مقرر ہو جائے ظہر دو بجے، عصر پانچ، بجے، عشاء آٹھ بجے، فجر پانچ بجے غروب آفتاب مغرب کا وقت اس میں گھڑی دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں جب کہ آسمان صاف ہو۔ مقصود تو ایسے بھی حاصل ہے مسجد آکر صرف نماز پڑھ لیں۔ **ولاحول و لاقوۃ الا باللہ** یوم جمعہ مبارکہ دو اذانیں ہوتی ہیں بوقت خطبہ اسی ایک پر دور فاروقی تک عمل رہا۔ دور خلافت عثمانی میں ایک کا اس سے قبل اضافہ ہوا۔ مثلاً کسی شہر کے کسی محلہ میں چند اہل جمعہ رہتے ہیں اور وہ لوگ مسجد میں حاضر ہیں تو اب کس کی اطلاع کے لئے اذان دی جائے تو ایک یا دونوں اس میں پہلی بدعت حسنہ ہے پھر کس کو سنانے کے لئے دی جائے سب تو موجود ہیں۔

جواب ہوگا شیطان کو بھگانے اس کا دل دکھانے کے لئے اور حصول برکات و حسنات کے لئے دی جائے کہ خدائے تعالیٰ اور اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر جمیل پر مشتمل ہے۔ اور دونوں میں ثواب، اسی طرح تثویب سے بعض شیاطین اس کو شدت کے ساتھ اختلاف بالخصوص صلوٰۃ و سلام کے مبارک کلمات سے اس کو بہت زیادہ درد و دکھ پہنچتا ہے پھر کوئی جائز و مستحب کو نا جائز سمجھے اور اس سے دکھ پائے تو اسی وقت سختی کے ساتھ اس کا عامل ہونا چاہئے گرچہ اعلام بعد اعلام کی کچھ حاجت نہیں کہ اذان سن کر خود لوگ حاضر ہو جاتے ہیں تو تثویب کی کیا حاجت لوگوں کو انتظار صلوٰۃ کے لئے اس کا خوگر بنانا بھی اچھا نہیں پھر بھی جہاں رائج ہے ہرگز نہ ترک کرے کہ کرنے میں ہی مصلحت ہے۔ صراح قراح اور منتہا الارب وغیرہ لغات کی کتابوں میں بلد کے معنی آباد و غیر آباد شہر دیہات خاک گور و گورستان

وخانہ وغیرہ ہے اور یہاں پر مراد آبادی ہے خواہ وہ شہر ہو یا قریہ۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔**

۱۵/۴/۱۴۱۴ھ

اقامت

۹۲/۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ میں:

سوال نمبر (۱): اقامت کے وقت مقتدی نماز کے لیے کس وقت کھڑا ہو؟ زید کا کہنا ہے کہ تکبیر شروع ہوتے ہی مقتدی کو نماز کے لیے کھڑا ہو جانا چاہیے۔ بکر نے کہا کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ مقتدی کو نماز کے لیے اس وقت کھڑا ہونا چاہیے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ اقامت شروع ہوتے ہی نماز کے لیے کھڑا ہونا یعنی نماز کا انتظار کرنا ہے۔ اور کھڑا ہو کر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے۔ زید نے کہا یہ نیا مسئلہ تمہارے مسلک والوں کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ ہم اس کو نہیں مانتے۔ اس کے لیے کوئی معتبر حدیث شریف کی کتابوں کو دیکھاؤ۔ بکر نے زید کے سامنے مالابدمنہ، فتاویٰ برکات وغیرہ وغیرہ چھ، سات کتابوں کو رکھ دیا۔ زید نے کہا یہ کتابیں تمہارے مسلک والوں کی لکھی ہوئی ہے۔ میں ان کتابوں کو نہیں مانتا۔ مجھے معتبر حدیث شریف دیکھاؤ۔ بکر نے کہا ان کتابوں میں معتبر حدیثوں کا ہی حوالہ تو ہے۔ اور حدیث شریف کی ہی عبارت تو ہے۔ زید نے کہا میں بالکل نہیں مانتا ان کتابوں کو۔ واضح رہے کہ زید بہت فخر سے طریقہ سنت کا بھی انکار کر رہا ہے۔ اور حدیث شریف کی عبارت کو بھی نہیں مانتا ہے اور زید اُدھر یہ بھی دعویٰ کر رہا ہے کہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کو مانتا ہوں اور اسی پر چلتا ہوں (زید کا یہ جملہ غور طلب ہے) اب یہ مسئلہ بڑا سنگین ہو چکا ہے۔ لہٰذا حضور والا سے میری التجا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں

مدلل تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں تاکہ کوئی بھی اعتراض باقی نہ رہے۔ اور زید سے متعلق شرعی حکم بھی عنایت فرمائیں۔

سوال نمبر ۲: اقامت کے وقت مؤذن امام کے ٹھیک پیچھے رہے یا کہ دائیں یا بائیں۔ زید کا کہنا ہے کہ مؤذن کا داہنی طرف رہنا بہتر ہے۔ بکر نے کہا کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مؤذن امام کے ٹھیک پیچھے سے اقامت کہتا ہے اور یہی درست بھی ہے۔ زید کا کہنا درست ہے یا کہ بکر کا۔ تسلی بخش جواب سے نواز کر سکون قلب عنایت فرمائیں۔

سائل: سگ بارگاہ رفاقت
مشتاق احمد قادری رفاقی
الجامعۃ الغوثیہ ملحقہ جامع مسجد سستی پور (بہار)
۹۲/۸۶ء

الجواب: بعون الملك الوهاب.

جواب نمبر (۱): بعض اپنی جہالت وبے علمی کی بنا پر اور بعض لوگ شبہات کے باعث قبول حق سے دور ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہدایت کی امید ہوتی ہے لیکن جو لوگ محض ضد اور ہٹ دھرمی سے بے حیائی اور ڈھٹائی سے حق قبول نہیں کرتے ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی امید نہیں ہوتی کیوں کہ ضد اور ہٹ کا علاج کسی عالم کے پاس نہیں جیسے وہم کی دوا کسی طبیب ڈاکٹر کے پاس نہیں۔ ضد کا مرض بغض وحسد سے پیدا ہوتا ہے۔ ابلیس لعین بغض وحسد سے ہی کافر ہوا۔ اور ضدی کافر بنا۔ اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔ **ما منعك الا تسجد اذ امرتك. قال انا خير منه.** (پ۸، ع۸) کس چیز نے (اے ابلیس) تجھے روکا کہ تو نے (آدم کا) سجدہ نہ کیا۔ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ بولا میں اس سے (یعنی آدم علیہ السلام سے) بہتر ہوں۔ معاذ اللہ رب العلمین۔ شیطان رجیم رب تبارک وتعالیٰ کا سنا

فرشتوں کو سجدہ کرتے دیکھا، پھر رب کی توبیخ سنی۔ لیکن اپنی ضد اور ہٹ پر اڑا رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی بارگاہ عالی میں سجدہ کے لیے نہ جھکا۔ اسی طرح ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ، وغیرہ بے دین کفار نابنجار حضور پرنور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ظاہرہ باہرہ کو اپنی اپنی نگاہوں سے دیکھا، چاند پھٹتے دیکھا، درخت کو چلتے دیکھا، کنکر کو کلمہ پڑھتے دیکھا، مگر اپنی ضد اور ہٹ سے دلیل کا طالب ہی رہا۔ ایمان نہ لایا۔ اور کافر ہی مرکر جہنم واصل ہوا۔ **العیاذ باللہ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ۔**

اگر زید اپنے دعویٰ حنفیت میں سچا ہے تو دیکھے حنفیوں کے بالاتفاق امام حضرت امام محمد اپنی معتبر مشہور ومعروف حدیث کی کتاب موطا میں کیا فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں **ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلواۃ** یعنی جب موذن حی علی الفلاح کہے اس وقت نمازیوں کو نماز کے لیے کھڑا ہونا مناسب ہے اور فرماتے ہیں: **وھو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالی۔** یعنی یہی قول سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا وصال ۱۵۰ھ میں ہوا۔ یعنی آج سے بارہ سو باسٹھ برس قبل ہوا۔ اور حضرت سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۸۹ھ میں ہوا۔ یعنی تقریباً بارہ سو تیئس برس قبل ہوا۔ پھر یہ مسئلہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا۔ نیا کیسے ہوا؟ بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری جزء خامس ص ۱۵۴ پر ہے: **وقال ابو حنیفہ ومحمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوۃ۔** امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ۔ نمازی حی علی الصلوۃ پر جماعت میں کھڑے ہوں۔ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشکوۃ شریف کی شرح **اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۲۱** پر فرماتے ہیں۔ فقہا گفتہ اند مذہب آنست کہ نزد حی علی الصلوۃ باید برخاست۔

فقہائے کرام کا فرمان ہے کہ حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا چاہیے کہ یہی مذہب

ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار دلائل براہین سے ثابت ہے کہ سلف وخلف کا مذہب ومسلک عہد خیر القرون سے یہی ہے کہ امام اور قوم حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہوں اور پہلے سے کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ عالمگیری ج ۱ ص ۲۹ پر ہے: **اذا دخل الرجل عند الاقامه یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح۔** اور شرح وقایہ جلد اول ص ۱۳۶ پر ہے: **یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوہ۔** زید اگر اپنے دعویٰ میں کاذب نہیں ہے تو دیکھے امام اعظم اور ان کے شاگرد رشید امام محمد اور صاحب شرح وقایہ اور صاحب لمعات جو حنفیوں کے امام وپیشوا ہیں۔ کیا فرماتے ہیں۔ سب یہی فرماتے ہیں کہ نمازی ابتدائے اقامت سے نہ کھڑے ہوں بلکہ حی علی الصلوہ یا حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ اس پر بھی زید نہ مانے تو ہٹ دھرمی کا علاج نہیں اگر یہ دیوبندی ہوگا تو ہرگز نہ مانے گا۔ یہ مانے گا تھانوی کی، نانوتوی کی گنگوہی کی انبیٹھوی کی یہ لوگ نہ خدا کی مانتے نہ رسول کی نہ سلف کی نہ خلف کی خداوند کریم اپنے رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کے صدقے بدمذہبوں کے شر سے امت مسلمہ کی حفاظت وصیانت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔

جواب نمبر (۲): اقامت امام کے محاذات میں ٹھیک پیچھے کہنا بہتر ہے کہ دونوں طرف اس کی آواز برابر پہنچے اور بائیں اور دائیں جس طرف سے بھی کہی جائے جائز ہے مگر دائیں بائیں کی تعین ہوگی کیسے مسجد کے دائیں بائیں یا کعبہ مکرمہ کے دائیں بائیں یا امام کے دائیں بائیں اس کا ثبوت زید دے۔ کہاں سے دیتا ہے۔ **ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔** اقامت کے جہت کی تخصیص نظر نہیں آئی۔ ہاں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۳۴۳ میں تحریر فرماتے ہیں ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ محاذات امام پھر جانب راست مناسب تر ہے۔ اور ص ۳۶۰ میں فرماتے ہیں: اقامت امام کی محاذات میں کہی جائے یہی سنت ہے۔

وہاں جگہ نہ ملے تو داہنی طرف لفضل الیمین علی الشمال ورنہ بائیں طرف محصول المقصود بکل حال اور ص ۳۴۲ پر فرماتے ہیں۔ مَعًا کہہ سکتے ہیں کہ دونوں جانبین داہنی اور دونوں بائیں ہیں کہ جو قبلہ رو کھڑا ہو اسکی داہنی طرف کعبہ معظمہ و مسجد کی بائیں ہے۔ اور اس کی بائیں کعبہ و مسجد کی داہنی تو جب دونوں طرف نفع برابر ہو تو دونوں یکساں ہیں۔ مگر یہ پچھلی باتیں اذان کے سلسلہ میں فرمائی ہے۔ جو اقامت کا مقیس علیہ بن سکتی ہے۔

۷ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں اقامت بیٹھ کر سننا سنت ہے یا کھڑے ہو کر؟ حضور سے گذارش ہے کہ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد کلیم الدین برکاتی، نیپالی

امام مسجد عیدگاہ محلہ مچھوکھڑی، ضلع اندور تحصیل ساویر، مدھیہ پردیش

محمد عباس خاں پٹھرس، سلیمان

الجواب: بعون الملک الوھاب: بوقت اقامت جمہور علما، فقہا، کملاء، مجتہدین و اہل علم از اصحاب سید المرسلین علیہ والہ واصحابہ اجمعین افضل الصلوات و اکمل التسلیمات و اکرم التحیات من رب السموات و الارضین کے نزدیک کلمات اقامت بیٹھے سننا ادب و استحباب و سنت اور اس وقت کھڑا رہنا کراہت اور احادیث کریمہ و اقوال جمہور ائمہ حنفیہ کی مخالفت۔ فی البخاری الشریف۔ ج ۱، ص ۸۸ "قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلاۃ فلاتقوموا حتی ترونی۔ ھکذا فی المسلم الشریف ج ۱، ص ۲۲۰ یعنی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بوقت اقامت کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔

اور ترمذی شریف میں بھی ج ۱، ص ۷۶ پر اس حدیث پاک کے تحت صاحب ترمذی فرماتے ہیں: "وقد کرہ قوم من اھل العلم من اصحاب النبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرھم ان ینظر الناس الامام وھم قیام" یعنی اہل علم صحابہ کرام اور آپ کے علاوہ دیگر علماء نے بوقت اقامت کھڑے ہو کر امام کے انتظار کو مکروہ فرمایا ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری ج ۱، ۲۹ پر ہے: "اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح۔ کذا فی المضمرات" یعنی جب کوئی شخص بوقت اقامت آئے تو کھڑا نہ رہے کہ اس کا کھڑا رہنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے تب اٹھے۔ کذا فی المضمرات اس سے زیادہ تفصیل کی حاجت ہے تو فتاویٰ رضویہ دوم اور فتاویٰ برکات کیم کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲۶/۷/۱۴۲۱ھ

رسالہ تنویر الابصار بتوجیہ الاقامۃ الاخیار

اقامت کا بیان

(از: ۳۸ ——— ۵۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ بوقت اقامت و مقتدی بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر؟ بعض لوگ کہتے ہیں بیٹھ کر سننا نیا مسئلہ ہے بریلوی کا گڑھا ہوا ہے۔ فلاں فلاں مقام پر بوقت اقامت لوگ کھڑے رہتے ہیں۔ صرف بریلوی والے ہی اس وقت بیٹھے رہتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس وقت کیا کرے اور کس وقت کھڑے ہوں؟ حدیث و فقہ کی روشنی میں صاف صاف مفصل و مدلل بحوالہ کتب معتبرہ جواب عطا فرمائیں بینوا و توجروا

مستفتی (مولانا) امیر الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ رضویہ پٹنہ

وسید ولی الدین ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ پٹنہ سیٹی (بہار)

۸۶/۹۲ھ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد!

الجواب: بعون الملک الوھاب ومنہ ھدایۃ الحق والصواب

امام ومقتدی دونوں بوقت اقامت بیٹھے بیٹھے تکبیر سنیں اگر کوئی شخص ایسے وقت میں مسجد میں آئے کہ تکبیر ہو رہی ہو فوراً بیٹھ جائے اور سب کے سب حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرنا اور تکبیر سننا مکروہ ہے۔ دلائل و براہین ملاحظہ ہوں۔

متجر علمائے کبار وفقہائے نامدار وعلمائے ذی وقار کی ایک عظیم مہتم بالشان جماعت کی ترتیب دادہ اور تالیف کردہ کتاب مستطاب فتاویٰ ہندیہ معروف بفتاویٰ عالمگیری کے صفحہ ۲۹ ج ۱ پر مسطور و مذکور ہے۔ اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ له الانتظار قائماً ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذا فی المضمرات۔ ان کان المؤذن غیر الامام و کان القوم مع الامام فی المسجد فانه تقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثة و هو الصحیح فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فکلما جاوز صفا قام ذلك الصف والیه مال شمس الائمة الحلوانی والسرخسی و شیخ الاسلام خواهر زاده۔ و ان کان الامام دخل المسجد من قدامهم یقومون کما رأوا الامام و ان کان المؤذن والامام واحداً فان اقام فی المسجد فالقوم لا یقومون ما لم یفرغ عن الاقامة و ان اقام خارج المسجد فمشائخنا اتفقوا علی انهم لا یقومون ما لم یدخل الامام المسجد۔ انتهی

ترجمہ: جب کوئی شخص اقامت کے وقت (مسجد) آئے تو اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے پھر موذن جب حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہو۔ یہی مضمرات میں ہے اگر موذن امام کے سوا کوئی اور ہو اور نمازی مع امام کے مسجد کے اندر ہوں تو موذن جس وقت اقامت میں حی علی الفلاح کہے اسی وقت ہمارے تینوں علماء کے نزدیک امام اور سارے نمازی کھڑے ہوں یہی صحیح ہے اور امام مسجد سے باہر ہوں تو اگر صفوں کی جانب سے مسجد میں داخل ہوں تو جس صف سے وہ گزریں وہ صف کھڑی ہو جائے اور اسی طرف شمس الائمہ حلوائی اور سرخسی اور شیخ الاسلام خواہر زادہ کا رجحان ہے اور اگر امام مسجد میں نمازیوں کے سامنے سے آئیں تو امام کو دیکھتے ہی سب کے سب کھڑے ہو جائیں اور اگر موذن اور امام ایک ہو تو اگر وہ اقامت مسجد کے اندر کہے تو جب تک اقامت سے فارغ نہ ہوئے تب تک نمازی کھڑے نہ ہوں اور اگر وہ مسجد سے باہر اقامت کہے تو ہمارے مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہوں، نمازی کھڑے نہ ہوں۔ انتہی

حضرت علامہ شیخ علاء الدین محمد بن علی حصکفی متوفی عاشر شوال ۱۰۸۸ھ اور علامہ سید محمد امین شہیر با بن عابدین متوفی ۱۲۵۳ھ دونوں حضرات اپنی اپنی کتاب در المختار اور رد المختار کے ج ۱ ص ۲۹۵ پر ارشاد فرماتے ہیں:

دخل المسجد و المؤذن یقیم قعد الی قیام الامام فی مصلاه۔ و یکره له الانتظار قائما و لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح. ترجمہ: کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اس وقت کہ موذن اقامت کہہ رہا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا رہے۔ امام کے اپنے مصلی پر کھڑے ہونے تک اور اس کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے جب موذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو۔

پھر علامۂ فہیمہ فہامہ فقیہ شیخ علاء الدین حنفی حصکفی در مختار کے (ج ۱ ص ۳۵۴)

پر رقمطراز ہیں:

والقیام لامام و مؤتم حین قیل حی علی الفلاح خلافاً لزفر عندہ عند حی علی الصلاۃ۔

ترجمہ: امام ومقتدی دونوں کو کھڑا ہونا چاہیے جس وقت حی علی الفلاح کہا جائے زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں خلاف ہے ان کے نزدیک حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا چاہیے۔ اور اسی کے تحت علامہ شامی محمد امین معروف بابن عابدین وحید دہر فرید عصر رد المختار میں تحریر فرماتے ہیں۔ قولہ حین قیل حی علی الفلاح کذا فی الکنز و نور الایضاح والاصلاح والظہیریۃ والبدائع و غیرھا والذی فی الدرر متناً و شرحاً عند الحیعلۃ الاولی یعنی حین یقال حی علی الصلاۃ اھ و عزاہ الشیخ اسمٰعیل فی شرحہ الی عیون المذاھب والفیض والوقایۃ و النقایۃ والحاوی والمختار اھ قلت واعتمدہ فی متن الملتقی وحکی الاول بقیل لکن نقل ابن الکمال تصحیح الاول و نص عبارتہ قال فی الذخیرۃ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ وقال الحسن ابن زیاد و زفر اذا قال المؤذن قد قامت الصلوۃ قاموا الی الصف واذا قال مرۃ ثانیۃ کبروا والصحیح قول علمائنا الثلاثۃ اھ

یعنی کنز اور نور الایضاح اور اصلاح اور ظہیریہ اور بدائع اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہیے اور درر میں متناً و شرحاً حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہونا مذکور ہے اور شیخ اسمٰعیل نے اس کو عیون المذاہب اور فیض اور وقایہ اور نقایہ اور حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا ہے اور علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ملتقی کے متن میں اسی پر اعتماد کیا ہے اول کی حکایت قیل سے کی ہے لیکن ابن کمال نے اول یعنی حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی تصحیح فرمائی ہے اور اپنی عبارت کی تصریح کی کہ ذخیرہ

میں کہا ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو امام اور قوم کھڑے ہوں۔ یہ ہمارے تینوں امام، امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ہے اور حسن ابن زیاد اور زفر نے کہا ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلوۃ پہلی مرتبہ کہے تو سب صف میں کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو تکبیر تحریمہ کہیں لیکن ہمارے تینوں امام کا قول صحیح ہے یعنی حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا۔

عالم نبیل شیخ حسن ابن عمار ابن علی شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ کی نور الایضاح مع مراقی الفلاح میں ہے من الادب (القیام) ای قیام القوم والامام ان کان حاضراً بقرب المحراب (حین قیل) ای وقت قول المقیم (حی علی الفلاح) لانہ امر بہ فیجاب وان لم یکن حاضراً یقوم کل صف حین ینتھی الیہ الامام فی الاظھر۔ یعنی آداب نماز سے ہے کہ اگر امام حاضر ہوں محراب کے پاس تو جب مقیم حی علی الفلاح کہے اس وقت امام اور مقتدی دونوں کو کھڑا ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ مقیم نے اپنے قول میں کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے۔ لہذا اس کا جواب کھڑے ہو کر دینا چاہیے اور اگر امام حاضر نہ ہوں تو امام کے پہنچنے پر کھڑا ہونا چاہیے۔

اور حاشیہ علی مراقی الفلاح ص ۲۲۵ پر (یقوم کل صف) کے تحت حضرت علامہ سید احمد ابن محمد اسمٰعیل طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ فرماتے ہیں:

وفی عبارۃ بعضھم فکلما جاوز صفاً قام ذالک الصف اھ وان دخل من قدامھم قاموا حین رآوہ واذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائماً فانہ مکروہ کما فی المضمرات قہستانی ویفھم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون۔

بعض فقہا کی عبارت میں ہے جس صف سے امام گزرے وہ صف کھڑی ہو جائے اور اگر امام ان کے سامنے سے مسجد میں داخل ہو تو سب کے سب کھڑے ہو

جائیں۔ جس وقت ان کو دیکھیں اور جب مؤذن اقامت شروع کرے اور مسجد میں کوئی اس وقت داخل ہو تو بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے کما فی المضمرات قہستانی اور اس سے ابتدائے اقامت میں قیام کی کراہت سمجھی جاتی ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

اور حضرت ملک العلماء ابو بکر ابن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ اپنی کتاب مستطاب معتبر و مستند بدائع الصنائع (ج ۱ ص ۲۰۰) پر ذکر فرماتے ہیں:

الجملة فيه ان المؤذن اذا قال حي على الفلاح فان كان الامام معهم في المسجد يستحب للقوم ان يقوموا في الصف و عند زفر والحسن ابن زياد يقومون عند قوله قد قامت الصلوٰة في المرة الاولى و يكبرون عند الثانية لان المنبئ عن القيام قوله قد قامت الصلوٰة لاقوله حي على الفلاح ولنا ان قوله حي على الفلاح دعاء الى ما به فلاحهم وامر بالمسارعة اليه فلابد من الاجابة الى ذالك ولن تحصل الاجابة الا بالفعل وهو القيام اليه فكان ينبغي ان يقوموا عند قوله حي على الصلاة فلما ذكرنا غير انا منعهم عن القيام كيلا يلغو قوله حي على الفلاح لان من وجدت منه المبادرة الى شيئ فدعاه اليه بعد تحصيله اياه لغو من الكلام اما قوله ان المنبئ عن القيام قوله قد قامت الصلوٰة فنقول قوله قد قامت الصلوٰة تنبئ عن قيام الصلوٰة لا عن القيام اليها۔

ترجمہ: حاصل اس کا یہ ہے کہ اگر امام نمازیوں کے ساتھ مسجد میں ہوں تو لوگوں کا صف میں کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہے اور زفر اور حسن ابن زیاد کے نزدیک کھڑے ہوں جس وقت مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے اور تکبیر کہیں جب دوبارہ قد قامت الصلوٰۃ کہے اس لئے کہ اس کا قول

قد قامت الصلوٰۃ قیام کی خبر دیتا ہے نہ اس کا قول حی علی الفلاح اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ان کا قول حی علی الفلاح بلانا ہے ایسی چیز کی طرف جس چیز میں ان سب کی فلاح ہے اور اس کی طرف جلدی کرنے کا امر ہے تو ضروری ہوا اس کا جواب دینا اور جواب دینا بلا قیام الی الصلوٰۃ حاصل نہ ہوگا تو مناسب تھا کہ لوگ اس کے قول حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں، اس دلیل سے جو ہم نے ذکر کیا لیکن ہم ان کو بھی کھڑے ہونے سے روکتے ہیں تاکہ اس کا قول حی علی الفلاح لغو قرار نہ پائے اس لئے کہ جس شخص سے کسی چیز کا کر لینا پا لیا گیا ہو پھر اس شخص کو اسی چیز کی حاصل کرنے کی طرف بلانا ایک بے کار سی بات ہوگی امام زفر کا قول کہ قد قامت الصلوٰۃ قیام کی خبر دیتا ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ قد قامت الصلوٰۃ قیام صلاۃ کی خبر دیتا ہے نہ قیام الی الصلوٰۃ کی۔

اور حضرت علامہ ابو البرکات عبد اللہ ابن احمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ اپنی کتاب کنز الدقائق کے (ص ۳۲) پر ارشاد فرمایا:

والقيام حين قيل حي على الفلاح. کھڑا ہونا اس وقت ہے جب حی علی الفلاح کہا جائے۔

اسی کے تحت عین الحطور میں ہے: لانه امر به فيستحب المسارعة اليه

صدر الشریعہ حضرت عبید اللہ ابن مسعود شرح الوقایہ جلد اول (ج ۱ ص ۱۳۶) باب الاذان میں تحریر فرمایا ہے:

ويقوم الامام والقوم عند حي على الصلوٰة امام و مقتدی کھڑے ہوں حی علی الصلوٰۃ کے وقت اسی کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں ہے قوله ويقوم الامام اى من مواضعهم الى الصف وفيه اشارة الى انه اذا دخل المسجد يكره له انتظار الصلاة قائما بل يجلس في موضع ثم يقوم عند حي على الفلاح وبه صرح في جامع المضمرات.

یعنی امام اور قوم اپنی اپنی جگہ سے صف میں شامل ہونے کے لئے کھڑے ہوں

اوراس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ کوئی جب مسجد میں داخل ہوتو اس کے لئے نماز کا انتظار کرنا کھڑے ہوکر مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے کسی جگہ میں پھر حی علی الفلاح پر کھڑا ہو یہی جامع المضمرات میں مصرح ہے۔

اور قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ متوفی ۱۲۲۵ھ اپنی کتاب مالا بدمنہ کے (ص ۳۱) پر رقم طراز ہیں۔ **طریق خواھدن نماز بروجہ سنت آنست کہ اذان گفتہ شود و اقامت و نزد حی علی الصلوٰۃ امام برخیزد۔**

ترجمہ: نماز پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اذان و اقامت کہی جائے اور حی علی الصلوٰۃ کے وقت امام کھڑا ہو اور اس کے حاشیہ میں ہے مقتدیوں کو بھی اسی وقت کھڑا ہونا چاہیے اب تک عظیم المرتبت رفیع الدرجت علمائے کرام فقہائے عظام کی فقہی عبارتوں سے قلب و جگر کو منور و مجلی کر رہے تھے اب چلئے احادیث کریمہ کی زیارت سے نور و سرور حاصل کر کے آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

امام بخاری حضرت ابو عبداللہ محمد ابن اسمٰعیل امیر المومنین فی الحدیث و راس المحدثین فی القدیم والحدیث متوفی ۲۵۶ھ بخاری شریف جلد اول ص (۸۸) جز ثالث میں حضرت سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلاۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب نماز کی اقامت کہی جائے تو کھڑے نہ ہوتا وقتیکہ مجھے دیکھ نہ لو۔

اور حضرت علامہ بدرالدین محمود عینی شارح بخاری متوفی ۸۵۵ھ اسی حدیث شریف کے تحت عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جز خامس (ص ۱۵۴) پر امام اعظم و امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا قول نقل فرمایا ہے:

و قال ابو حنیفۃ و محمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ ترجمہ: امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد رشید حضرت امام محمد نے فرمایا کہ

جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو سارے نمازی صف میں کھڑے ہو جائیں۔

اور مسلم شریف جلد اول ص ۲۲۰ میں امام مسلم ابوالحسین مسلم ابن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی۔

اسی حدیث کی شرح فرماتے ہوئے شارح مسلم شریف حضرت علامہ شیخ ابو زکریا محی الدین یحیٰی ابن شرف شافعی متوفی ۶۷۶ھ اپنی شرح نووی میں فرماتے ہیں:

واختلف العلماء من السلف فمن بعدھم متی یقوم الناس للصلوٰۃ ومتی یکبر الامام فمذھب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وطائفۃ انہ یستحب ان لا یقوم احد حتی یفرغ المؤذن من الاقامۃ ونقل القاضی عیاض عن مالک رحمھما اللہ تعالیٰ و عامۃ العلماء انہ یستحب ان یقوموا اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ وکان انس رحمہ اللہ تعالیٰ یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ وبہ قال الاحمد رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و الکوفیون یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ فاذا قال قد قامت الصلوٰۃ کبر الامام و قال جمھور العلماء من السلف والخلف لا یکبر الامام حتی یفرغ المؤذن من الاقامۃ۔

علماء سلف و خلف کا اختلاف رہا کہ نماز کے واسطے لوگ کب کھڑے ہوں اور امام کب تکبیر کہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ایک گروہ کا مسلک کہ مستحب یہ ہے کہ کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب تک کہ مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہولے اور حضرت قاضی عیاض حضرت مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور عام علماء (مالکی) سے نقل فرمایا ہے کہ کھڑا ہونا مستحب اس وقت ہے جس وقت مؤذن اقامت شروع کرے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور یہی حضرت امام

احمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علمائے کوفہ نے فرمایا کہ جب موذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت صف میں سب کھڑے ہو جائیں۔ پھر جب قدقامت الصلوٰۃ کہے تو امام تکبیر کہے اور جمہور علمائے سلف و خلف نے کہا کہ امام تکبیر نہ کہے تاوقتیکہ موذن اقامت سے فارغ نہ ہو لے۔

اور ترمذی شریف باب کراهیة ان ینتظر الناس الا مام و هم قیام عند افتتاح الصلوٰة (ج ۱ ص ۷۶) میں حضرت علامہ ابوعیسیٰ محمد ابن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ حضرت سیدنا ابوقتادہ سے روایت کی قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلوٰة فلا تقوموا حتی ترونی خرجت۔

اس حدیث شریف کے تحت قال ابو عیسیٰ حدیث ابی قتادة حدیث حسن صحیح وقد کرہ قوم من اهل العلم من اصحٰب النبی ﷺ وغیرهم ان ینظر الناس الامام وهم قیام وقال بعضهم اذا کان الامام فی المسجد وا قیمت الصلوٰة فانما یقومون اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰة قد قامت الصلوٰة وهو قول ابن المبارك۔

یعنی صاحب ترمذی حضرت ابوعیسیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم صحابہ کرام کی ایک جماعت ان کے علاوہ دیگر حضرات نے (بوقت اقامت) کھڑے ہوکر امام کے انتظار کو مکروہ خیال فرمایا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امام مسجد میں ہو اور نماز کی اقامت کہی جائے تو سب کے سب کھڑے ہوں۔ جس وقت موذن قدقامت الصلوٰۃ قدقامت الصلوٰۃ کہے اور یہی حضرت ابن مبارک کا قول ہے۔

اور اسی کے حاشیہ میں فلا تقوموا حتی ترونی خرجت کے ذیل میں محشی نے لکھا ہے۔ قال الشیخ فی اللمعات قال الفقهاء یقومون عند قوله حی علی الصلوٰة۔

یعنی حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مستطاب لمعات شریف میں ارشاد فرمایا کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے حی علی الصلوٰۃ پر لوگ کھڑے ہوں۔ ابوداؤد شریف (ج ۱ ص ۹۶) میں حدیث ابوقتادہ ایوب اور حجاج صواف سے بھی مروی ہے عن عبد اللہ ابن ابی قتادة عن ابیه عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلوٰة فلا تقوموا حتی ترونی قال ابوداؤد وهکذا رواه ایوب و حجاج الصواف عن یحیی وهشام الدستوائی۔

اور یہی حدیث شریف سنن نسائی (ج ۱ ص ۱۱۱) اور مشکوۃ شریف ج ۱ ص ۶۴) میں اور صحیح البہاری (ص ۳۰۳) میں مذکور ہے اس حدیث کی شرح میں راس المفسرین امام المحدثین علامہ علی بن سلطان محمد قاری رحمہ الباری اپنی کتاب مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح جز اول کے (ص ۴۱۹) پر فرماتے ہیں (حتی ترونی) ای فی المسجد لان القیام قبل مجئی الامام تعب بلا فائدة کذا قاله بعضهم ولعله علیه السلام کان یخرج من الحجرة بعد شروع المؤذن فی الاقامة ویدخل فی محراب المسجد عند قوله حی علی الصلوٰة ولذا قال ائمتنا و یقوم الا مام و القوم عند حی علی الصلوٰة و یشرع عند قد قامت الصلوٰة و قال ابن حجر و کان ﷺ یخرج عند فراغ المقیم من اقامته فامرهم بالقیام حینئذٍ لانه وقت الحاجة الیه ولهذا قال اصحٰبنا. السنة ان لا یقوم المأموم حتی یفرغ المقیم من جمیع اقامته۔

یعنی جب موذن اقامت کہے تو نماز کے لئے کھڑا نہ ہوتا وقتیکہ مجھے مسجد میں دیکھ نہ لو اس لئے کہ امام کے آنے سے پہلے کھڑا ہونا بے فائدہ مشقت میں پڑنا ہے اسی طرح بعض لوگوں نے کہا ہے امید، کہ حضور علیہ السلام موذن کے اقامت شروع کرنے کے بعد حجرے سے تشریف لاتے رہے ہوں اور محراب مسجد میں اس کے قول حی علی الصلوٰۃ کے وقت جلوہ گر ہوتے رہے ہوں۔ اس لئے ہمارے اماموں نے فرمایا

کہ امام اور قوم حی علی الصلوۃ کے وقت کھڑے ہوں اور قد قامت الصلوۃ کے وقت شروع کردے اور ابن حجر نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام مقیم کے اقامت سے فراغت کے وقت نکلتے تھے تو ان کو کھڑے ہونے کا اس وقت حکم فرمایا اس لئے کہ یہی اس کی ضرورت کا وقت ہے اس لئے ہمارے اصحاب نے کہا سنت یہ ہے کہ مقتدی کھڑے نہ ہوں جب تک کہ مقیم اپنے جمیع اقامت سے فراغت حاصل نہ کرلے۔

مخزن برکات ینبوع کرامات برکت مصطفی عارف باللہ قدوۃ المحدثین حامل لواء الحق والدین علامہ شیخ محقق شاہ امام عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۹۵۸ھ رضی اللہ عنہ اشعۃ اللمعات (ج ۱ ص ۳۲۱) میں فرماتے ہیں۔ فقہا گفتہ اند مذہب آنست کہ نزد حی علی الصلوۃ باید برخاست وشاید کہ بروں آمدن آں حضرت دریں وقت می بود۔

یعنی فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ حی علی الصلوۃ کے وقت کھڑا ہونا چاہیے۔ اور ہوسکتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کا اسی وقت میں تشریف لانا ہوتا رہا ہو۔ اور (ص ۳۰۸) فرماتے ہیں در فقہ مذکور است کہ تا چوں حی علی الصلوۃ گوید باید برخاست شاید کہ آں حضرت نیز دریں وقت بروں می آمدند، فقہ میں مذکور ہے کہ جس وقت مؤذن حی علی الصلوۃ کہے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے ہوسکتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کی تشریف آوری اسی وقت میں ہوتی رہی ہو۔

محرر مذہب حضرت سیدنا امام محمد متوفی ۱۸۹ھ شاگرد رشید سیدنا امام اعظم علیہما الرحمۃ مؤطا شریف (ص ۸۸) باب تسویۃ الصف میں مثبتاً بہ فتویٰ سے آگاہی بخشتے ہیں قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف ویحاذوا بین المناکب فاذا اقام المؤذن الصلوۃ کبر الامام وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: امام محمد نے فرمایا کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اس وقت لوگوں کو نماز کی طرف کھڑا ہونا چاہیے پھر صف بصف ہوکر صفیں سیدھیں کریں اور کندھوں سے

کندھا ملالیں پھر جب مؤذن نماز کی اقامت کہہ چکے تو امام تکبیر کہے یہی قول امام الائمہ سراج الائمہ کشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ متوفی ۱۵۰ھ کا ہے اور اسی کے حاشیہ میں ہے وقال ابو حنیفۃ واصحابہ اذا لم یکن معھم الامام فی المسجد فانھم لا یقومون حتی یروا الامام لحدیث ابی قتادۃ عن النبی ﷺ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی وھو قول الشافعی و داؤد واذا کان معھم فانھم یقومون اذا قال حی علی الفلاح انتھی ملخصاً۔

امام اعظم اور آپ کے اصحاب نے فرمایا کہ مسجد کے اندر نمازیوں کے ساتھ امام موجود نہ ہوں تو نہ کھڑے ہوں حتی کہ امام کو دیکھ لیں ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے رسول ﷺ سے کہ جس وقت اقامت کہی جائے تو مجھے دیکھ لینے تک کھڑے نہ ہوں یہی قول حضرت امام شافعی اور داؤد کا ہے اور ان کے ساتھ جب امام حاضر ہوں تو اس وقت کھڑے ہوں جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ انتھی ملخصا

ان احادیث کریمہ اور شروح متبرکہ اور جلیل القدر عظیم الشان متبحر فقہائے کرام اور علمائے عظام کی کتب فقہیہ معتبرہ مشہورہ اور ان کے مستندہ متداولہ فتاوائے مبارکہ سے سلف وخلف کا مسلک ومذہب آفتاب نیمروز کی طرح خوب روشن ومنور واضح و ابین ہوگیا کہ وقت اقامت امام اور مقتدی دونوں کو بیٹھے رہنا چاہئے اور حی علی الصلوۃ پر کما قال بعض یا حی علی الفلاح پر کما قال الاکثر فی الاظہر یا قد قامت الصلوۃ پر کما قال زفر کھڑا ہونا چاہئے اور بنظر دلائل وبراہین حی علی الفلاح پر ہی کھڑا ہونا بہتر اور راجح تر ہے اس وقت کھڑا ہونا کوئی نیا مسئلہ اور بریلوی کا گڑھا ہوا نہیں ہے بلکہ خیر القرون عہد رسالت مآب ﷺ اور عصر صحابہ کرام وتابعین عظام اور زمانہ ائمہ مجتہدین اور علمائے متقدمین ومتاخرین سے اب تک جمہور صحابہ وعلماء محدثین وفقہائے مجتہدین امام الائمۃ سراج الائمۃ کشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ اور انکے شاگرد رشید محرر مذہب حضرت

امام محمد و قاضی القضاۃ حضرت امام یوسف اور حضرت امام زفر وغیرہ علامہ شرنبلالی علامہ طحطاوی علامہ شافعی علامہ حصکفی شیخ الاسلام تمرتاشی ملک العلماء کاسانی حضرت ابو البرکات نسفی صدر الشریعہ حضرت عبید اللہ حنفی اور مؤلفین فتاویٰ عالمگیری حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم محدث دہلوی حضرت علامہ مفتی ابو البرکات دہلوی اور شاگرد رشید حضرت ملا جیون شیخ احمد گوپاموی مفتی وجیہ الدین گوپاموی قاضی عصمت اللہ لکھنوی۔ شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی مولانا ابو الخیر ٹھٹھوی مولانا جمیل جونپوری قاضی رضی الدین بھاگلپوری وغیرھم کا معمول بہا رہا ہے اور ہے۔

ہاں یقینیات کی منزلیں اور طے کریں فتاویٰ ہندیہ معروف فتاویٰ عالمگیری تالیف وترتیب اور اس کی تاریخ سے اندازہ لگائیں کہ اس مسئلہ میں علمائے ہند کا کیا موقف رہا ہے۔ سلطان الہند حضرت اورنگ زیب محمد عالمگیر علیہ الرحمۃ کے دور سلطنت میں انہیں کی پیش کش پر ہندوستان بھر کے نامور علماء اور مشہور فقہاء بڑے بڑے مشائخ کرام ان کے محل سرا میں جمع ہوئے اور اس جماعت جلیلہ نے عمدۃ العلماء قدوۃ الفضلاء رئیس الفقہاء حضرت شیخ نظام برہان پوری کی سربراہی وسرپرستی میں بڑی کاوش ومحنت کے ساتھ بے شمار کتب معتمدہ اور فتاوائے معتبرہ اور اقوال مفتی بہا سے فقہی جواہر پارے اور علمی ذخیرے کمال حزم اور پورے احتیاط کے ساتھ چھان پھٹک کر جمع کئے تاکہ عالم اسلام اس کے مطابق عمل پیرا ہو اور بوقت اختلاف اس کی طرف رجوع کرے۔

اس فتاوے کی تدوین کا آغاز ایک ہزار ستتر ہجری میں ہوا اور تکمیل ایک ہزار پچاسی میں ہوئی۔ بفضلہ تعالیٰ پوری دنیا میں اسے قبولیت عامہ کا درجہ حاصل ہے شروع فتاویٰ میں اسی کا حوالہ پیش کیا ہے تاکہ یقین ہو جائے کہ حضرت اورنگ زیب کے زمانے میں بھی سارے علمائے ہند کا اسی پر فتاویٰ تھا کہ بوقت اقامت بیٹھے رہیں اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ اسی مسئلہ معمول بہا کی تائید وتمیین علمائے بریلی کرتے

ہیں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۴۰ھ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۳۰۴) میں فرماتے ہیں مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سنیں۔ حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں اور کھڑے کھڑے تکبیر سننا مکروہ ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے وقت مسجد میں آئے کہ تکبیر ہو رہی ہو فوراً بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو۔

اور اس میں راز مکبر کے اس قول کی مطابقت ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ ادھر اس نے حی علی الفلاح کہا۔ کہ آؤ مراد پانے کو جماعت کھڑی ہوئی اس نے کہا قد قامت الصلوٰۃ جماعت قائم ہوگئی اور اسی فتاوے کے ص ۳۳۸ پر فرماتے ہیں جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت کھڑے ہوں کہ اس قول کے مطابق ہو جو اس کے بعد کہے گا کہ قد قامت الصلوٰۃ جماعت کھڑی ہوئی یہاں تک تکبیر ہو رہی ہے اور اس وقت کوئی شخص باہر سے آیا تو یہ خیال نہ کرے کہ چند کلمات رہ گئے ہیں پھر کھڑا ہونا ہوگا بلکہ فوراً بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو۔ ملخصاً اور فیوض الباری شرح صحیح البخاری ص ۲۹۵ پر علامہ سید محمود احمد رضوی پاکستانی فرماتے ہیں کتب احناف میں ہے کہ اقامت کے وقت جو شخص آئے اور جو لوگ مسجد میں موجود ہوں، انہیں چاہئے کہ بیٹھے رہیں اس وقت اٹھے جب مکبر حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے۔ ملخصاً

اقول: ناظرین اس کو دیکھ کر کے کسی کتاب میں حی علی الصلوٰۃ اور کسی میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا لکھا کشمکش میں نہ پڑیں کہ کس پر عمل ہو۔ اس کی صورت یوں کرے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کی تیاری کریں اور حی علی الفلاح پر سیدھا کھڑا ہو جائیں تاکہ دونوں پر بقدر الامکان عمل ہو جائے۔

اور مرآۃ شرح مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۴ پر مولانا مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی اشرفی بدایونی ثم پاکستانی لا یقوم حتی ترونی کے تحت شرح میں فرماتے ہیں اس زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام صف بنا کر بیٹھ جاتے۔ حضور اپنے حجرے میں رونق افروز ہوتے مکبر کھڑے ہو کر تکبیر شروع کرتا جب حی علی الفلاح پر پہنچتا تو سرکار حجرے

سے باہر تشریف لاتے تو صحابہ کرام کو نظر آتے۔

فقہا فرماتے ہیں کہ نمازی صف میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے نیز وہ حدیث جو مشکوۃ شریف میں بروایت مسلم بخاری دو تین صفحہ بعد باب المسجد سے کچھ پہلے آرہی ہے۔ یہ رہا علمائے احناف وفقہائے انصاف کا مسلک و مذہب۔ مخالفین ومعاندین اور ان کے علماء کو مولانا ثناء اللہ پانی پتی پر بڑا وثوق واعتماد ہے، ان کا قول بھی ان کی کتاب مالابد منہ سے نقل کر دیا گیا ہے کہ وقت اقامت بیٹھے رہنے کو نماز کا مسنون طریقہ بتایا ہے۔

اب مانعین کے مایہ ناز دار العلوم دیوبند کے قابل فخر مدرس محشی الاصباح علی نور الایضاح میں مولوی اعجاز علی دیوبندی علیہ ما علیہ نے کی دیکھئے اس مسئلہ کے بارے میں حاشیہ نور الایضاح پر کیا وضاحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو **ومن الادب قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب وقت قول المقیم حی علی الفلاح لان المقیم فی ضمن قولہ ھذا امر بالقیام فیجاب۔**

ترجمہ: اور ادب یہ ہے کہ کھڑی ہو قوم اور امام بھی اگر ہوں وہ محراب کے قریب مقیم کے قول حی علی الفلاح کے وقت اس لئے کہ مقیم نے اپنے اس قول کے ضمن میں قیام کا حکم دیا ہے تو اس کا جواب (اسی وقت) کھڑے ہو کر دینا چاہیے۔

دیکھا آپ نے حق وہ جو سر چڑھ کے بولے سرکار نے فرمایا بھی ہے **الحق یعلو ولایعلی** مخالفین کے مشہور ومعروف مفتی بھی حق بولے بغیر نہ رہ سکے۔ اب تو یقین ہو گیا ہوگا کہ حق کیا ہے؟

اور علمائے سلف وخلف کی پیروی کھڑے ہونے میں ہے یا بیٹھنے میں تو جو مسئلہ دور رسالت مآب سے اب تک کے علماء وصلحا فقہا مشائخ اور ان کے متبعین کا معمول اور مفتی بہا ہو، اسے نیا مسئلہ کہنا اور گڑھا ہوا بتانا کتنا بڑا ظلم وعدوان اور مسئلہ حق کے ساتھ کس قدر شر وطغیان ہے اسی کو کہتے ہیں چوڑا ہے پر سر بازار دن کے اجالے میں

دین و دیانت کا گلہ گھونٹنا یا ٹھیک دوپہر کو آنکھیں موند کر آفتاب جہاں تاب سے فیض نہ لیکر کورچشمی کا ثبوت دینا۔

مصنفین کتب فقہیہ اور مولفین کتب احادیث نبویہ کے اسماء گرامی کے ساتھ ان کا سن وصال اس لئے تحریر کر دیا گیا ہے تاکہ متبعین اور دل ودماغ میں خوب راسخ ہو جائے کہ یہ مسئلہ مختلفہ مدللہ مبرھنہ قدیمہ ہے اور سلف وخلف کی سنت سنیہ اور طریقہ مرضیہ ہے کوئی جدید اور اختراعی نہیں ہے۔ پھر ایسے مسئلہ قدیمہ معمول بہا کو جدید اور اختراعی خیال کرنا جہالت وضلالت کے سوا کچھ نہیں یا جان بوجھ کر حق و صداقت سے عناداً اعراض کرنا ہے اور یہ کہنا کہ فلاں جگہ یا یہاں اور وہاں بوقت اقامت لوگ بیٹھتے نہیں کھڑے رہتے ہیں یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ دلیلیں تو مذکور ہوئیں انصاف پسند حق کے متلاشی کے لئے جو تحریر میں آیا کافی شافی وافی صافی ہے باوجود ان دلائل وبراہین کے جو شخص اعراض وانکار کرے اس کا کوئی علاج نہیں۔ ایسوں ہی کے حق میں قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ **ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور (پ۱۸ ع۱۱) واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب**

الحمد للہ ثم الحمد للہ تم الجواب بعون الملک الوھاب وظھر الحق والصواب۔

ھذا ما تیسر لی من الاحادیث النبویۃ والکتب الفقھیۃ المستندۃ المتداولۃ مع قلۃ الفرصۃ وکثرۃ الاشغال بتوفیق اللہ العزیز المتعال ذی البر والاحسان والنوال والصلوۃ والسلام علی نبینا محمد صاحب الفضل والکمال واصحابہ وآلہ خیر الآل۔

واعلموا ان ھذہ العجالۃ فی جواب الاقامۃ نافعۃ لمن اراد ان یتذکر من اولی الالباب وذوی العدل والانصاف وحرز من تلبیس الابلیس المریب وحصن حصین للمومنین من الشیطان اللعین

وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب. جهدت فيها جهدا كثيرا، ونقحت فيها تنقيحا كبيرا، وان كنت لست بذالك جديرا. متوكلا على الله سبحانه تبارك وتعالى و متيمنا بو سيلة حبيبه الاعلى ﷺ تسليما كثيرا كثيرا، وهو حسبي ونعم الوكيل ونعم المولى ونعم النصير.

واعانني عليها تلميذي واعزا حبتي اخي في الدين المزين بحسن الزين ذو المعالي المولوي مولانا احمد حسين البركاتي وتلميذي الاعز لائق الاكرام فائز المرام الحري الحسيب فائق الاقران المولوي مولانا محمد مجيب الرحمن البركاتي صانهما الله تعالى عن الجور بعد الكور و حفظهما سبحانه وتعالى عن موجبات التلهف والتأسف واصلح حالهما و بالهما ولازال لهما من التوفيق قوام ومن التاييد عصام بالكتابة والنقل والنسخ مع الاكرام و جعل المولى تعالى سعيهما مشكورا وافاض من الفيوضات والاحسانات على المسلمين والمسلمات كثيرا كثيرا واذا صارت هذه العجالة بصورة الرسالة فاحببت ان اسميها فسميتها بتنوير الابصار بتوجيه اقامة الاخيار ليكون بموضوعها العلامة والشعار ونسئال الله الكريم رب العرش العظيم ان يفيض علينا انوار الهداية ويصرف عنا اصناف الضلالة . وارجو منه تبارك وتعالى ان يتقبل بفضل رحمة هذا التاليف وان ينفعني به ويوفقني لعمل اهل السعادة ويرزقني حسن الخاتمة على الكتاب والسنة.

وقد شرعت لاربع بقين من ذي القعدة يوم الجمعة المباركة قبل العصر سنة الف واربعمائة وسبع وو قع الفراغ عنه من التسويد و التبييض والتصحيح لثانٍ من ذي الحجة سنة الف واربعمائة وسبعة يوم الخميس بعد الظهر.

وافضل الصلوت واكمل التسليمات على المولى المخصوص بطيب النشر شفيعنا بمنه يوم الحشر وعلى آله واصحابه ذو الحجر واٰخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العلمين.

انا العبد المفتقر الى المولى الغني المقتدر جيش محمد الصديقي البركاتي المدرس بالجامعة الحنفيه لاهل السنة والجماعة اقامها الله وادامها عفى عنه و غفرله ولوالديه و مشائخه و محبيه بمنه و كرمه وجوده ونواله اٰمين اٰمين بجاه سيد المرسلين يا ارحم الرحمين.

جيش محمد صديقي قادری بركاتی حوفظ عن المعاصی

٢ ذي الحجه ١٤٠٧ه

التصديق

ما اجاب شيخنا الفاضل و مخدومنا الكامل العالم الفقيه و العلامة النبيه المحقق النجيح المفتي الكبير. حامل لواء الدين المتين. ماحي الضلالة و قاطع المضلين. ناشر الملة و الدين. ناصر القوم و المسلمين جيش محمد رفع المولى تبارك وتعالى درجاته في الدنيا و اعلى عليين فهو حق. صحيح. رجيح. نافع لطالب الحق والهداية ولاهل السنة والجماعة والحق احق بالاتباع والاطاعة وجزاه الله عني وعن سائر المؤمنين خير الجزاء وادام ظلال كرمه والامتنان و افاض بره والاحسان علينا وعلى العالمين في كل الزمان واطال عمره بالصحة و غاية السلامة بجاه سيد الانس والجان عليه و اٰله افضل الصلوة واكمل السلام من الحنان والمنان آمين آمين يا ارحم الرحمين

العاصي الخاطي احمد حسين البركاتي غفرله ولوالديه ولاساتذه

الخادم للجامعة الحنفیة الواقعة بجنکفور دھام (نیپال)

الثالث من ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ

التصدیق

مبسملا وحامدا ومصلیا ومسلما وبعد

فقد تشرفت بمطالعة الرسالة المبارکة التی کتبھا اکمل کملاء الزمان و اعلم علماء الدوران عین العلم والایقان تبیین اشارات القرآن الجامع لاشتات الفضائل والخصائل استاذ العلماء حضرۃ العلامۃ اسد النیبال جیش محمد نصرہ اللہ تعالیٰ علی من عاداہ شیئا من العدوان واقام الدوام اماما للدین المزدان بجاہ سید الانس والجان فی جواب سوالات الاقامۃ فاذا ھو حق و صواب و مطابق بما نطق بہ السنۃ و کتب فقھاء الزمان و ھو معتقدنا و معتقد الفضلاء الشیخان فلما تجلی الحق بالدلائل والبرھان فلا بد ان یعمل بہ الانسان و من استحوذ علیھم الشیطان فیبتغی وراء ذلک اولئک حزب الشیطان وھم الخسرون وھم العادون و من یعمل بہ و یطلب سبیل الحق فاولئک حزب اللہ الرحمٰن وھم المصلحون وھم المفلحون بمن المنان وبکرم الحنان وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و آلہ وصحبہ فی کل الحین والآن۔

العبد المذنب

محمد مجیب الرحمٰن البرکاتی عفی عنہ و عن والدیہ و اساتذہ المدرس للجامعۃ الحنفیۃ جنکفور (نیپال)

۱۴۰۷/۱۲/۳ھ

۹۲/۸۶ء

قرأت میں غلطی

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ امام نے نماز میں قرأت کے اندر غلطی کی یعنی دوران قرأت میں دو آیت چھوڑ کر آگے بڑھ گئے تو پیچھے سے مقتدی نے لقمہ دیا امام نے توقف کرتے ہوئے لقمہ لیا لیکن سجدہ سہو نہ کیا تو اس صورت میں سجدہ سہو ہے یا نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کیوں کہ اس مسئلہ کو لے کر مسجد کمیٹی میں اختلاف ہو رہا ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے ماننے والوں کا کہنا ہے کہ سجدہ سہو ہے اور بدعقیدہ کا کہنا ہے کہ سجدہ سہو نہیں ہے نماز ہوگئی اور حنفی کا کہنا ہے کہ نماز مفسد نہیں لیکن سجدہ سہو بھی کرنا بہتر ہے اور سجدہ سہو ہے اس لیے عرض ہے کہ جواب جلد عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد مجیب الرحمن صدیقی نوری، موکوک چینگ ناگالینڈ

۹۲/۸۶ء

الجواب: بعون الملک الوھاب

امام جب نماز یا قرأت میں غلطی کرے تو اسے لقمہ دینا بتانا مطلقا جائز ہے اور اس میں سجدہ سہو کی حاجت نہیں ہاں اگر امام نے توقف کیا اور تین بار سبحٰن اللہ کہنے کی قدر چپکا کھڑا رہا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے درمختار ج ا ص ۵۵۷ میں ہے: اذا شغلہ ذلک الشک فتفکر قدر اداء رکن ولم یشغل حالۃ الشک بقراءۃ ولا تسبیح ذکرہ فی الذخیرۃ وجب علیہ سجود السھو فی جمیع صور الشک اور ردالمحتار میں ہے: الاصل فی التفکر انہ ان منعہ عن اداء رکن کقراءۃ آیۃ او ثلث او رکوع اور سجود او عن اداء واجب کالقعود یلزمہ السھو لاستلزام ذلک ترک الواجب وھو الاتیان بالرکن او الواجب فی

محله وان لم یمنعه عن شیئ من ذلک بان کان ودی الارکان ویتفکر لایلزمه السهو. ورنہ اس کی حاجت نہیں حاصل یہ ہے کہ امام کا توقف تین تسبیح کی مقدار تھا تو سجدہ سہو بہتر ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد جیش الصدیقی البرکاتی جامعہ حنفیہ غوثیہ

۱۰/۷/۱۴۱۱ھ

رسالہ: احسن الکلام فی القرآۃ خلف الامام

(از: ۵۹ھ ——————— ۷۱ھ)

۹۲/۸۶ھ

کیافرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں زید کا قول ہے کہ جماعت میں امام کے ساتھ مقتدی پر بھی لازم ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھیں بکر کہتا ہے ایسا نہیں اور پھر زید یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ میں مسلم شریف کی حدیث پیش کروں گا آیا ایسی صورت میں زید کا قول کہاں تک درست ہے۔ احادیث کی روشنی میں مع عبارت جواب مرحمت فرمائیں ائمہ کے اقوال کیا ہیں وہ بھی تحریر کریں عین کرم ہوگا۔ فقط

المستفتی: (مولانا) محمد اظہار حسین رضوی تنویر القادری

مدرس مدرسہ سکھابازار مغربی چمپارن (بہار) یکم جنوری ۱۹۸۹ء

قرأت خلف الامام

الجواب: بعون الملک الوھاب: مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن مجید پڑھنا مطلقاً جائز نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُراٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (پ ۹ ع ۱۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

اس آیت کریمہ سے قرأت خلف الامام کی ممانعت صاف ظاہر ہے اور اس کے مقابل کوئی ایسی حدیث نہیں جس کو حجت قرار دیا جا سکے۔

مدارک شریف میں اس آیت کے تحت ہے:

ظاهره وجوب الاستماع والانصات وقت قرأة القرآن فی الصلاة وغیرها وفی الخازن فمقتضاه ان یکون الاستماع والسکوت واجبین وعن ابن مسعود انه سمع ناسا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما ان لکم ان تفقهوا واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا کما امرکم الله ملخصاً.

یعنی قرآن شریف کی تلاوت کے وقت اس کا سننا اور چپ رہنا واجب ہے یہ تلاوت نماز میں ہو یا خارج نماز یہی اس ایت سے ظاہر اور یہی اس کا مقتضا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو امام کے ساتھ ساتھ قرآن پڑھتے سنا تو جب نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا ابھی تک یہ وقت نہیں آیا کہ تم اس آیت کریمہ **واذا قرئ القرآن.** الخ کو سمجھو جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم فرمایا مراد یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ قرآت نہ کرے بلکہ سنے اور خاموش رہے۔

صحیح مسلم شریف ص ۱۷۴ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔

یعنی جب تم نماز پڑھو تو اپنی صفیں سیدھی کرو پھر تم میں کوئی امامت کرے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھنا شروع کر دے تو تم چپ رہو۔

اور ترمذی شریف ص ۴۲ میں ہے:

عن ابی نعیم وهب بن کیسان انه سمع جابر بن عبد الله یقول

من صلى ركعة لم يقرأفيها بأم القرآن لم يصل الا ان يكون وراء الامام هذا حديث حسن صحيح۔

یعنی حضرت جابر نے فرمایا جو کوئی رکعت بے سورہ فاتحہ کے پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب امام کے پیچھے ہو۔ اس حدیث شریف سے واضح ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے ہرگز قراءت نہ کرے۔

اور اس حدیث شریف کے بارے میں حافظ ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں:

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور نسائی شریف ص ١٤٦ میں ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھنا شروع کر دے تو خاموش رہو۔ وهكذا فى ابى داؤد الشريف ص ١٠٥۔

اور موطا امام مالک رضی اللہ عنہ میں ص ٢٩ پر ہے:

عن نافع ان عبد الله ابن عمر كان اذا سئل هل يقرأ احد خلف الامام قال اذا صلى احدكم خلف الامام فحسبه قرأة الامام واذا صلى وحده فليقرأ قال وكان عبد الله بن عمر لا يقرأ خلف الامام۔

یعنی حضرت نافع سے مروی کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب دریافت کیا جاتا تھا کہ امام کے پیچھے کوئی قرأت کرے؟ تو آپ فرماتے کہ جب تم میں کا کوئی امام کے پیچھے نماز ادا کرے تو امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے اور جب تنہا پڑھے تو قرأت کرے اور خود عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

اور مسلم شریف باب سجود التلاوۃ ص ٢١٥ پر ہے:

عن عطاء بن يسار انه اخبره انه سأل زيد بن ثابت عن القرأة مع الامام فقال لا قرأة مع الامام فى شئ۔

یعنی حضرت یسار سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی قسم کی قرأت نہیں۔

اور موطا امام محمد ص ٩٤ پر ہے:

قال محمد لا قرأة خلف الامام فيما جهر فيه ولا فيما لم يجهر بذلك جاءت عامة الأثار وهو قول ابى حنيفة رحمه الله۔

عن نافع عن ابن عمر قال من صلى خلف الامام كفته قرأته۔

عن ابن عمر انه سئل عن القرأة خلف الامام قال تكفيك قرأة الامام۔

عن جابر ابن عبد الله عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال من صلى خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة۔

عن ابى وائل قال سئل عبد الله ابن مسعود عن القرأة خلف الامام قال انصت فان فى الصلوة شغلا سيكفيك ذاك الامام۔

عن علقمة ابن قيس ان عبد الله ابن مسعود كان لا يقرأ خلف الامام فيما يظهر فيه وفيما يخافت فيه فى الاوليين ولا فى الاخريين واذا صلى وحده قرأ فى الاوليين بفاتحة الكتاب وسورة ولم يقرأ فى الاخريين شيئا۔

عن علقمة بن قيس قال لان اعض على جمرة احب الى من ان اقرأ خلف الامام۔

عن ابراهيم قال ان اول من قرأ خلف الامام رجل اتهم۔

عن عبداللہ بن شدادبن الھاد قال ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العصر قال فقرأرجل خلفہٗ فغمزہ الذی یلیہ فلماَ ان صلیٰ قال لم غمزتنی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امك فکرھت ان تقرأ خلفہٗ فسمعہٗ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ امام فان قرأتہ لہٗ قراءۃ۔

عن بعض ولد سعدبن وقاص انہ ذکرلہ ان سعداً قال ودت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ۔

عن محمد بن عجلان ان عمربن الخطاب قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجراً۔

عن موسیٰ بن سعدابن زید بن ثابت یحدثہ عن جدہ انہ قال من قرأ خلف الامام فلا صلاۃ لہ۔

یعنی امام الائمہ مالک الازمہ سراج الامہ کاشف الغمہ کے شاگرد رشید امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مستطاب موطا شریف میں فرمایا کہ امام کے پیچھے نہ جہری نماز میں قرأت ہے اور نہ سری نماز میں اس کے ثبوت میں عام آثار آئے ہیں اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں استفسار ہوا تو فرمایا تجھے امام کی قرأت بس ہے۔

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی امام کی اقتدا میں نماز ادا کرے تو اس مقتدی کے واسطے امام کی قرا ءت ہی کافی ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرا ءت کے متعلق سوال ہوا

فرمایا کہ خاموش رہ کہ نماز میں مشغولی ہے۔امام تجھے اس کی کفایت کردے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب مقتدی ہوئے تو کسی نماز میں جہر یہ ہو یا سریہ قرأت نہیں کرتے تھے نہ پہلی رکعتوں میں اور نہ پچھلی میں ہاں جب تنہا ہوئے تو صرف پہلی دو میں سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھتے۔

حضرت علقمہ ابن قیس فرماتے ہیں البتہ آگ کی چنگاری منہ میں لینا مجھے اس سے زیادہ پیاری ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کروں۔

ابراہیم ابن سوید نخعی سے ہے کہ فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھا وہ ایک مرد متہم تھا۔یعنی امام کے پیچھے قرأت ایک بے اعتبار آدمی نے ایجاد کی۔

حضرت عبداللہ ابن شداد سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کی امامت فرمائی تو آپ کے پیچھے ایک مقتدی قرأت شروع کردی تو ان کے بغل کے ایک نمازی نے اشارہ سے روکا بعد نماز دریافت کیا کہ نماز کے اندر کیوں ٹوکا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے آگے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو تیرا پڑھنا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مجھے اچھا نہ لگا ان دونوں کے سوال وجواب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا تو فرمایا کہ جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت یعنی مقتدی کو قرأت کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

سیدنا سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ سے کہ افاضل صحابہ وعشرہ مبشرہ ومقربان بارگاہ سے ہیں منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں آگ کا انگارہ ہو۔

حضرت امیر المومنین غیظ المنافقین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں پتھر ہو۔حضرت زید ابن ثابت اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں بیان فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے تو اس کی نماز نماز نہیں۔

اور شرح معانی الآثار شریف ۱۸ میں ہے:

عن المختار بن عبداللہ بن ابی لیلی قال قال علی رضی اللہ عنہ من قرأ خلف الامام فلیس علی الفطرۃ۔

عن ابن مسعود قال لیت الذی یقرأ خلف الامام ملئی فوہ تراباً

ص۱۰۸

عن عبیداللہ بن مقسم انہ سئل عبداللہ بن عمر و زید بن ثابت وجابر بن عبداللہ فقالوا لاتقرأوا خلف الامام فی شئ من الصلوات۔

عن ابی حمزۃ قال قلت لابن عباس اقرأوالامام بین یدی فقال لاص۱۰۹

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا قرأ فانصتوا وقال ابودرداء اری ان الامام اذا ام القوم فقد کفاھم۔

یعنی حضرت مولیٰ علی مشکل کشا شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا جو شخص امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ فطرۃ پر نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کاش جو امام کے پیچھے تلاوت قرآن کرے اس کے منہ میں مٹی بھر دی جاتی۔

حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت زید ابن ثابت اور جابر ابن عبداللہ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں قرآن کی تلاوت نہ کر۔

ابوحمزہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ امام کے پیچھے قرأت کروں تو فرمایا نہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام اس لیے کیا گیا ہے کہ تم اس کی اقتدا کرو تو جب وہ قرأت کرے تو تم لوگ چپ رہو۔

اور ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ امام جب لوگوں کی

امامت کریں تو ان کو وہ کافی ہیں یعنی مقتدی کو قرأت کی ضرورت نہیں۔

اسی میں ہے:

عن انس قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اقبل بوجھہ فقال اتقرون وامام یقرأ فسکتوا فسئالھم ثلثاً فقالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا۔

یعنی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر مقتدی کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ امام کے ساتھ تم لوگ بھی قرأت کرتے ہو؟ صحابۂ کرام خاموش رہے مکرر سہ کرر دریافت فرمانے پر عرض گزار ہوئے کہ ہاں ارشاد ہوا اب ایسا نہ کرو یعنی امام کے پیچھے قرأت ترک کر دو۔

اور ہدایہ کے ص ۱۰۰ پر ہے:

ولا یقرء الموتم خلف الامام خلافاً للشافعی فی الفاتحۃ لہ ان القرأۃ رکن من الارکان فیشترکان فیہ ولنا قولہ علیہ السلام من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ وعلیہ اجماع الصحابۃ رضی اللہ عنہم وھو رکن مشترک بینھما لکن حظ المقتدی الانصات و الاستماع قال علیہ السلام واذا قرأ فانصتوا ویستحسن علی سبیل الاحتیاط فیما یروی عن محمد رحمہ اللہ ویکرہ عندھما لما فیہ من الوعید ویستمع وینصت وان قرأ الامام آیۃ الترغیب و الترھیب لان الاستماع والانصات فرض بالنص والقرأۃ وسوال الجنۃ التعوذ من النار کل ذالک مخل بہ۔ اور اس کے حاشیہ پر ہے: قولہ اجماع الصحابۃ سماہ اجماعاً باعتبار الاکثر وقد روی منع القرأۃ عن ثمانین نفراً من الصحابۃ ۱۲ عینی، وقولہ یکرہ المراد کراھۃ التحریم کما یفیدہ قول المصنف لما فیہ من الوعید وقولہ فیما یروی عن محمد

وقال شمس الائمة السرخسی تفسد صلاته فی قول عدة من الصحابة وعن عبدالله البلخی انه قال یملأفوه من التراب وقیل یستحب ان یکسر اسنانہ وقال علی من قرأخلف الامام القی علی فیه ترابا وعن علی قال رجل للنبی صلی الله علیه وعلی اٰله وسلم من قرأ خلف الامام ففی فیه جمرة۔

اورشرح وقایہ جلد اول ص ۱۵۰ پر ہے:

ولا یقرأ المؤا بل یستمع وینصت قال الله اذا قرئ القرآن فاستموا له و انصتوا وقال علیه السلام اذا کبر الامام فکبروا واذا قرأفانصتوا وقال علیه السلام من کان له امام فقرأة الامام قرأةله وقال علیه السلام مالی انازع فی القرآن وسکوت الامام لیقرأ الموتم قلب الموضوع۔

اوراس کے حاشیہ پر ہے:

قوله وقال الخ هذا الحدیث اخرج مالك فی المؤطا عن ابی هریرة ان رسول الله (صلی الله علیه وسلم) انصرف من صلوٰة جهر فیها بالقرأة فقال هل قرأ معی منکم احد فقال رجل انا یارسول الله فقال رسول الله انی اقول مالی انازع القراٰن فانتهی الناس عن القرأة خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فیما جهر به من الصلوٰة حین سمعوا من ذلك و کذا اخرجه ابوداؤد والترمذی والنسائی والطحاوی والشافعی واحمد وغیرهم۔

یعنی ہدایہ میں ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے فاتحہ میں شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خلاف ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا رکنوں میں سے ایک رکن ہے تو امام ومقتدی دونوں اس میں شریک ہوں گے ہم احناف کی دلیل یہ ہے کہ

آقائے نامدار سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کا امام ہو تو امام کا ہی پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے اور اس پر صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کا اجماع قائم ہو چکا ہے اور قرأت امام ومقتدی دونوں میں مشترک ہے لیکن مقتدی کے حصہ میں خاموشی اور سننا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم چپ رہو اور علی سبیل الاحتیاط محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں قرأت کو مستحسن سمجھا گیا ہے اور شیخین کے نزدیک قرأت مکروہ ہے کیوں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے میں وعید آئی ہے۔ مقتدی کے ذمہ آیت قرآنی کا سننا اور چپ رہنا نص قرآنی سے فرض ہے۔ اور قرأت اور سوال جنت اور دوزخ سے پناہ مانگنا اس کے اندر خلل انداز ہوں گے اور متن کی عبارت میں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ اسی صحابہ کرام نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور امام سرخسی نے فرمایا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کی نماز بہت سے صحابہ کے قول میں فاسد ہو جاتی ہے اور عبداللہ بلخی کا ارشاد ہے امام کے پیچھے تلاوت کرنے والے کے منہ میں مٹی بھر دی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس کے دانت توڑ دینے بہتر ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں بالو ڈال دیا جائے آپ سے ہی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ امام کے پیچھے قرأت کروں یا چپ رہوں تو ارشاد فرمایا بلکہ چپ رہو تجھے یہی کافی ہے اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرآن کی تلاوت کرے تو اس کے منہ میں آگ کی چنگاری ہو۔

قال علی من قرأخلف الامام فقد اخطأ السنة۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کی تو اس نے سنت کے خلاف کیا۔

اور شرح وقایہ میں ہے مقتدی چپ رہے اور سنے نہ پڑھے کہ ارشاد ربانی ہے جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جب امام تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب قرآن کی تلاوت شروع کرے تو

چپ ہو جاؤ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کا کوئی امام ہو تو اس کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا ہوا مجھے قرآن کی تلاوت میں جھگڑا کیا جا رہا ہوں۔ موطا امام مالک رضی اللہ عنہ میں یہ حدیث یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جہری سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا کیا کوئی تم میں کا میرے ساتھ نماز کے اندر قرأت کی ہے ایک مرد نے کہا ہاں میں نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ کیوں قرآن پڑھنے میں نزاع کیا جا رہا ہوں اس کے بعد سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنے سے جہری نماز میں رک گئے ایسا ہی ابوداؤد و ترمذی، نسائی، طحاوی، شافعی، احمد وغیرہم نے اخراج کیا ہے۔

اقول: سری میں بھی رک گئے جیسا کہ دوسری بہت سی روایتوں میں منقول و ماثور ہے **کما رویناہ عن المؤطا للامام محمد و شرح معانی الآثار وغیرهما**۔ اور نماز سری میں روایت استحباب کہ حضرت امام محمد بن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کما قالہ فی الدر المختار۔ خود تصانیف امام محمد میں عدم جواز مصرح آثار میں فرماتے ہیں یہی مذہب ہمارا مختار اور اسی پر عامۂ حدیث و اخبار وارد اور فرمایا ایک جماعت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قرأت مقتدی کو مفسد نماز کہتی ہے۔ اور **اقوی الدلیلین** پر عمل کرنے میں احتیاط ہے موطا میں بہت آثار روایت فرمائے جن سے عدم جواز ثابت **قالہ الشیخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدهلوی قدس سرہ العزیز فی اللمعات**

بایں ہمہ خلاف تصریحات امام ایک روایت مرجوحہ مجروحہ سے نماز سری میں جواز خواہ استحباب قرأت ان کا مذہب ٹھہرانا اور فقہ حنفی میں اس کا وجود سمجھنا محض باطل و وہم عاطل ہمارے علمائے مجتہدین بالاتفاق عدم جواز کے قائل ہیں اور یہی مذہب جمہور صحابہ و تابعین کا ہے۔ **کما قال اعلیٰ حضرت مجدد الدین والملة**

الامام احمد رضا خان قدس سرہ العزیز فی الفتاویٰ الرضویة۔

اور نور الایضاح ص ۲۰ پر ہے:

ولا یقرأ المؤتم بل یستمع وینصت وان قرأ کرہ تحریماً و کذا فی کنز الدقائق والدر المختار ورد المحتار والقدوری غرض فقہ حنفی کی ساری کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ امام کے پیچھے قرأت ممنوع و ناجائز ہے۔

مذکورہ بالا آیت قرآنیہ و احادیث نبویہ و آثار صحابہ و اقوال ائمہ سے بفضل اللہ وبحمد اللہ و بکرم رسول اللہ ﷺ قرأت خلف الامام کی ممانعت ثابت اور مذہب حنفیہ کی حقانیت و صداقت آفتاب نیمروز کی طرح روشن و مبین مخالفین غیر مقلدین کے پاس کوئی حدیث کوئی دلیل ایسی نہیں جس کو ان دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے مقابل پیش کر سکے۔ قرأت خلف امام کی تائید میں سب سے زیادہ اعتماد جس حدیث پر کیا جاتا ہے جسے ان کا مدار مذہب کہا جائے صحیحین کی حدیث **لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب** ہے کہ نماز بے فاتحہ کے نہیں ہوتی دوسری دلیل حدیث مسلم شریف **من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فھی خداج ھی خداج ھی خداج** جس نے کوئی نماز بے فاتحہ پڑھی وہ ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تمہارے لئے مفید نہ ہمارے لئے مضر اس سے قرأت خلف امام کا وجوب ہرگز ثابت نہیں ہوگا بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز تام نہیں ہوتی ہم خود مانتے ہیں کہ بے فاتحہ امام کی ہو خواہ مقتدی کی نماز کامل نہیں ہوتی مگر مقتدی کے حق میں خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لیے امام کی قرأت کافی ہے اور امام کا پڑھنا بعینہٖ مقتدی کا پڑھنا ہے **کما مر سابقاً** یہ تم نے کہاں سے سمجھ لیا کہ مقتدی جب تک خود نہ پڑھے گا اس کی نماز بے فاتحہ رہے گی اور فاسد ہو جائے گی جب امام قرأت کرے گا تو اس کی بھی قرأت حکماً ہو جائے گی آخر قرأۃ الامام قراءۃ لہ کا کیا مطلب ہوگا؟ تو امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے سے قرآن و حدیث دونوں پر عمل

ہو جاتا ہے۔اور پیچھے قرأت کرنے سے آیت قرآن پر عمل نہیں ہو سکے گا لہذا ضروری ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔

ان سے پوچھئے کہ (۱) کوئی رکوع میں امام کے ساتھ ملا اس کو وہ رکعت ملی یا نہیں؟ اگر ملی تو بے فاتحہ کیسے مل گئی؟ (۲) یہ فاتحہ شروع کیا کہ امام رکوع میں چلا گیا اب یہ فاتحہ پڑھے یا رکوع میں جائے (۳) اس نے فاتحہ شروع کی اور امام نے **ولا الضالین** کہا یہ آمین کب کہے؟ (۴) درمیان فاتحہ میں اگر آمین کہے گا تو اس کا ثبوت کس حدیث میں ہے؟ اگر اپنی فاتحہ ختم کرنے کے بعد کہے گا تو امام کے **ولا الضالین** پر کیا کہے گا؟ جو جواب دو حدیث دیکھا کر دو۔ دو آمین کا ثبوت بخاری کے کس حدیث سے ہے؟ پھر ان غیر مقلدین وہابیہ سے جن پر بوجوہ کثیر کفر لازم وثابت مسائل فروع میں گفتگو سے کیا حاصل۔ انہیں ان مسئلوں میں دخل دینے کا کیا حق مقتدی فاتحہ پڑھے نہ پڑھے آمین بلند آواز سے کہے یا آہستہ۔ تراویح آٹھ یا بیس وتر ایک رکعت ہو یا تین یہ سب اس پر موقوف کہ ان کی نماز بھی صحیح ہو جس کا اسلام ہی صحیح و درست نہیں اس کی نماز کیوں کر صحیح و درست ہو سکتی ہے وہ ان مسائل میں جس طرح بھی عمل کریں باطل وعاطل۔ اپنا ایمان ثابت کر دکھائیں۔ ان کے پیشواؤں نے شان رسالت میں گستاخی کی ہے یہ ایسے ہیں کہ مسلمانوں کو ان سے ملنا جلنا جائز نہیں نہ ان کے پاس بیٹھنا اٹھنا جائز نہ ان کی بیمار پرسی جائز مرجائے تو نہ جنازہ کی نماز جائز نہ مسلمانوں کی قبرستان میں دفنانا جائز حدیث شریف میں ہے: **ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم** اور قرآن حکیم کا ارشاد ہے **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین واللہ اعلم بالصواب۔**

محمد جیش صدیقی برکاتی

جامعہ حنفیہ غوثیہ جنک پور دھام (نیپال)

۲۸/۵/۱۴۰۹ھ

۹۲/۷۸۶

ھذا ما قال شیخنا العالم المطاع فھو الحق والصواب

والحق احق ان یتبع واللہ اعلم بالصواب

احمد حسین البرکاتی

خادم الجامعة الحنفية الغوثية جنك پور (نیپال)

۲۸/۵/۱۴۰۹ھ

۷۸۶/۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) قرآن شریف میں جو رکوع ہے اس کا کیا مطلب جب کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **واركعوا مع الراكعين** جھکو جھکنے والوں کے ساتھ نیز منزل وجود ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

(۲) امام عالی مقام کا سر سجدہ میں تن سے جدا کیا جارہا تھا اس وقت جو نماز انھوں نے ادا کی تھی تو اس وقت حالت وضو میں تھے یا کس حالت میں؟ نیز انھوں نے جو نماز ادا کی وہ ادائے گی وضو یا تیمم سے تھی یا کیسی؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا محمد ذاکر حسین

مدرسہ حنفیہ منظر اسلام، باسوپٹی، ضلع مدھوبنی، بہار

۲۶/۴/۱۴۱۶ھ

الجواب: بعون الملك الوهاب (۱) **واركعوا مع الراكعين**" اس آیت کریمہ میں خطاب علمائے یہود کو ہے۔ کہ ایمان لاؤ کفر نہ بنو اور رحمة للعالمین، خاتم النبیین (علیہ والہ اکمل الصلاة واجمل التسلیم) کے اوصاف حمیدہ نہ چھپاؤ اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ، دولت دنیا کی خاطر آخرت سے بے پرواہ مت بنو، دیدہ و

دانستہ حق پوشی نہ کرو اور نمازیں پڑھو، زکاۃ ادا کرو۔ "**واركعوا مع الركعين**" اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو یعنی باجماعت نماز نیک مسلمانوں کے ساتھ ادا کرو۔ منافقت نہ کرو یا یہ مطلب ہے کہ بے رکوع والی نماز نہ پڑھو بلکہ سچے پکے مسلمانوں کے ساتھ مل کر رکوع والی نماز پڑھو۔ تفسیر نعیمی ج ا ص ۱۴ میں ہے کہ: "بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن کے تیس پارے اور اس میں نصف، ربع، ثلث کے نشانات مامون عباسی کے زمانہ میں لگائے گئے رکوع بنائے گئے۔ یعنی حضرت عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رمضان شریف کی تراویح کی نماز میں جس قدر قرآن پاک پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اتنے حصے کو رکوع قرار دیا گیا۔ اس لئے اس کے نشان پر قرآن مجید کے حاشیہ پر "ع" لگا دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عمرو کے نام کا "ع" ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عثمان کے نام کا "ع" لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ رکوع کا "ع" ہے تو حقیقت میں یہ تمام کام تلاوت کرنے والوں کی آسانی کے لئے کئے گئے۔ اسی میں ہے: "قرآن پاک کی تقسیم اس زمانہ پاک میں دو طریقہ سے ہو چکی تھی ایک سورتوں سے دوسری منزلوں سے۔ یعنی قرآن پاک کی سات منزلیں کی گئی تھیں کہ تلاوت کرنے والا ایک منزل روزانہ کے حساب سے ختم کر سکے سات دن میں۔ اور خزائن العرفان میں سورۂ انفال کی آخری آیت کے تحت ہے: "ان کے پڑھنے اور سننے والے دونوں پر سجدہ لازم ہو جاتا ہے۔" مسلم شریف کی حدیث میں ہے جب آدمی آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہے اور کہتا ہے افسوس بنی آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا وہ سجدہ کر کے جنتی ہوا اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں انکار کر کے جہنمی ہو گیا انتہی۔ قرآن شریف کے حاشیہ پر سجدہ کی علامت تلاوت کرنے والے کی آسانی کے لئے ہے۔ احادیث کریمہ اور کتب فقہ میں جن سورتوں میں جس آیت کے خاتمہ پر سجدہ کا حکم ہے۔ قرآن میں وہاں وہاں نشان لگا دیئے گئے۔ یہ صرف تسہیل کے لئے ہے اور بس۔

(۲) سوانح کربلا ص ۱۳۹ پر ہے: "ناچار امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا ہر طرف سے تیر آرہے ہیں اور امام مظلوم کا تن نازپرور نشانہ بنا ہوا ہے۔ نورانی جسم زخموں سے چکنا چور اور لہولہان ہو رہا ہے حضرت کو چکر آ گیا اور گھوڑے سے نیچے آئے اور آپ شہید ہو کر زمین پر گرے۔ ملخصا **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔

اقول: لہو نکلنے اور بہنے کے بعد نہ وضو رہتا ہے نہ تیمم پھر نماز کیسی؟

انتباہ: یہ سوال آپ کا ایسا ہے جس سے پرہیز چاہئے اس عالم کون و فساد میں آپ کس کس کا وضو غسل و تیمم تلاشتے پھریں گے کہ کس آن ہے اور کس آن نہیں، نہ آپ اس کے مکلف اور نہ میں اس کا مکلف۔ آپ سے کوئی پوچھے آپ کے بدن میں کتنے مسام اور کتنے بال ہیں اور کتنے کیڑے، گھر کے اوپر کتنے کھپڑے ہیں وغیرہ وغیرہ کیا جواب دیں گے آپ؟ **ولاحول ولاقوة الا باللہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا**۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۹۲/۷۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

(۱) قرآن شریف کی سب سے پہلی سورہ سورہ اقرا کا نزول ہوا تو باعتبار نزول سب سورتوں سے پہلے ہونا چاہئے۔ مگر یہ سورہ درمیان میں ہے ایسا کیوں؟

(۲) ایام تشریق کو ایام تشریق کیوں کہتے ہیں؟ قرآن و احادیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مولانا محمد ذاکر حسین امام جامع مسجد باسوپٹی مدھوبنی (بہار)

۱۴/۳/۱۴۱۵ھ

۹۲/۷۸۶

الجواب: بعون الملك الوهاب: (۱) قرآن شریف کی یہ ترتیب

نزول کے اعتبار سے نہیں بلکہ یہ ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ہے۔ تفسیر نعیمی جلد اول، ص ۱۱ اور تفسیر قرطبی ج ۱، ص ۲۹ پر ہے: "ان ترتیب سورة القرآن و آیاته فی المصحف لیس علی حسب نزول السور و الآیات علی النبی صلی الله علیه وسلم فان سورة البقرة مثلاً هی اول سورة نزلت فی المدینة المنورة وسورة المائدة من اواخر ما نزل من القرآن ومع ذلك جاءت سورة البقرة فی المصاحف العثمانیة قبل سورة المائدة و الترتیب فی المصحف الآن اما انه کان توقیفا ای بفعل النبی صلی الله علیه وسلم کما امره الله عز و جل اما انه کان علی وجه الاجتهاد من الصحابة انتهی۔"

(۲) شرح وقایہ ج ۱، ص ۲۰۴ پر تجب تکبیرات التشریق کے تحت حواشی پر ہے: "سمیت ایام التشریق به لانهم کانوا یشرقون فیه اللحم و اضیفت الیه التکبیرات لوقوعها فی ایامه و قیل التشریق الجهر بالتکبیر" یعنی تشریق کے معنی ہیں خشک کرنا گوشت پھیلا کر دھوپ میں اور عید الاضحیٰ کے بعد تین دنوں کے نام ایام تشریق اس لئے ہوئے کہ ان دنوں میں قربانی کا گوشت دھوپ میں خشک کیا جاتا تھا اور تشریق کی طرف تکبیرات کی اضافت اس لئے ہوئی کہ ان ایام میں تکبیریں پڑھی جاتی ہیں اور کہا گیا کہ تشریق نام ہے بآواز تکبیر پڑھنے کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

۱۸/ ۵/ ۱۴۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام مسئلہ ذیل میں:

کہ عید الفطر کی نماز زید نے پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد دس آدمی آئے جن کی نماز عید چھوٹ چکی تھی پھر زید نے ہی دوبارہ ان لوگوں کو نماز پڑھائی۔ کیا ایک ہی امام دوبارہ نماز پڑھا سکتا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

اگر کسی نے پڑھایا تو اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے نیز مقتدیوں کا کیا حکم؟ ایک عیدگاہ میں جماعت ثانیہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس شہنشاہ ٹیلرس

گرام وپوسٹ مہندر بازار ضلع سرلاہی (نیپال)

الجواب: بعون الملك الوهاب

زید کو امامت ہرگز جائز نہ تھی جن لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی باطل ہوئی درمختار ج ۱ ص ۴۲۶ میں ہے: لایصح اقتداء مفترض بمتنفل ولا ناذر بمتنفل۔ ردالمحتار میں اسی کے تحت ہے: لان النذر واجب فیلزم بناء القوی علی الضعیف۔ اس کی وہ نماز نفل مکروہ جس کا تداعی کے طور پر پڑھنا گناہ اسی کے ص ۶۱۱ میں ہے: هو نفل مکروه لادائه بالجماعة۔ اور عیدگاہ میں نفل پڑھنا جدا مکروہ اسی درمختار میں ص ۶۱۳ پر ہے ولا یتنفل قبلها مطلقاً و کذا لا یتنفل بعدها فی مصلاها فانه مکروه عند العامة۔ زید کا ایک امر غیر صحیح میں مشغول ہونا اور اپنی طبیعت سے شریعت میں جدید حکم اختراع کرنا جس کا وبال وگناہ بھی زید کے سر الگ۔ زید بتا سکتا ہے سلف سے خلف تک ایک عیدگاہ میں دو عید کی نماز کسی ایک امام نے پڑھائی شرع شریف میں اس کی کوئی مثال ہے؟ نہیں ہے تو اس کا یہ عمل ابتداع فی الدین ہے۔ جماعت ثانیہ کیوں کر ہو سکتی ہے؟ ایک عیدگاہ کے لیے دو امام تو مقرر ہوتے نہیں امامت جمعہ وعیدین وکسوف میں امام معین کا ہونا ایسا ضروری ہے کہ بے اس کے یا اس کی اجازت کے نماز ہو ہی نہیں سکتی ان کی امامت نماز پنج گانہ کی طرح نہیں اس میں ہر شخص صحیح الایمان صحیح القراءۃ صحیح الطہارۃ عاقل بالغ غیر معذور امامت کر سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۷۱۸ میں فرماتے ہیں مگر جمعہ وعیدین وکسوف میں کوئی امامت نہیں کر سکتا اگرچہ حافظ قاری متقی وغیرہ وغیرہ فضائل کا جامع ہو مگر وہ جو بحکم شرع عام مسلمانوں کا خود امام ہو کر بالعموم ان

پر استحقاق امامت رکھتا ہو یا ایسے امام کا ماذون و مقرر کردہ ہو اور یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے۔ **اولاً**: وہ سلطان اسلام ہو۔ **ثانیاً**: جہاں سلطنت اسلام نہیں وہاں یہ امامت عامہ اس شہر کے اعلم علماء دین کو ہے **ثالثاً**: جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں مجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود ایسا امام نہ ایسے امام کا نائب و ماذون و مقرر کردہ اس کی امامت ان نمازوں میں اصلاً صحیح نہیں۔ اگر امامت کرے گا نماز باطل محض ہوگی جمعہ کا فرض سر پر رہ جائے ان شہروں میں کہ سلطان اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے اعلم علماء بلد کے اس شہر کے سنی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو نماز کے مثل مسلمانوں کے کاموں میں ان کا امام عام ہے اور بحکم قرآن عظیم ان پر اس کی طرف رجوع اور اس کے ارشاد پر عمل فرض ہے جمعہ و عیدین و کسوف کی امامت وہ خود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے اس کے خلاف پر عوام بطور خود اگر کسی کو امام بنالیں گے صحیح نہ ہوگا کہ عوام کا تقرر مجبوری اس حالت میں روا رکھا گیا ہے جب امام عام موجود نہ ہو اس کے ہوتے ہوئے ان کے قرارداد کوئی چیز نہیں انتہی۔ اور ص ۷۰۸ میں فرماتے ہیں اور مسجد واحد کے لیے وقت واحد میں دو امام کی ہرگز ضرورت نہیں تو جب پہلا امام معین جمعہ ہے دوسرا ضرور اس کی لیاقت سے دور مجبور تو اس کے پیچھے نماز جمعہ باطل و محذور انتہی **اقول وباللہ التوفیق** یہی حکم عیدین کا ہے ہاں ایک ہی عیدگاہ میں جماعت ثانیہ اس وقت ہوسکتی ہے جب کہ اس شہر میں متعدد جگہ نماز ہوتی ہو اور ہر جگہ کے لیے بادشاہ اسلام وہ نہ ہو تو اعلم علماء بلد وہ نہ ہو تو عام مسلمین نے ہر محلہ کے لیے الگ امام مقرر کیا ہو اور لوگوں کے ساتھ امام کی بھی نماز چھوٹ گئی ہو تو یہ امام مقرر اس میں جماعت ثانیہ ضرورۃً کرسکتا ہے اور جو ایک مرتبہ عید یا جمعہ پڑھا لیا اور نماز صحیح ہوگئی تو دوبارہ وہی نماز نہیں پڑھا سکتا ہے ورنہ کہ تحصیل حاصل ہے۔ اور یہ باطل واللہ اعلم بالصواب۔

۲/۳/۱۴۱۰ھ

۷۸۶ / ۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے یہاں امام صاحب ہیں وہ جمعرات کو گھر چلے جاتے ہیں اور مقتدی حضرات ایسے نہیں کہ امامت کرسکے مقتدیوں نے مل کر زید کو امام بنانے کا فیصلہ کیا جس کی عمر ۱۷ سال ہے۔ اور ایک حاجی صاحب جن کا کہنا ہے زید کے پیچھے نماز جائز نہیں کہ اسے اب تک داڑھی نہیں آئی ہے اور خود حاجی صاحب مسائل شرعیہ سے ناواقف ہیں اور بعض مقتدیوں کا کہنا ہے کہ زید کے پیچھے نماز ہو جائے گی اس لیے کہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتا ہے۔ تو کیا زید کے پیچھے لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں تاکہ ان کار کرنے والے کے لیے دلیل ہو جائے۔ فقط والسلام

المستفتی: عبدالکبیر برکاتی، دیودھا، مدھوبنی بہار

۲۳/۶/۱۴۱۵ھ

۷۸۶ / ۹۲

الجواب: **بعون الملک الوھاب**: جب زید کی عمر ۱۷ سال کی ہوچکی ہے اور وہ صحیح العقیدہ، صحیح القراءۃ غیر فاسق و غیر معذور ہے تو اس کی امامت بلاشک شبہ جائز و درست ہے۔ امامت کے لیے داڑھی کا ہونا ضروری نہیں ہاں بالغ کی امامت کے لیے بلوغ شرط ہے اور اس کی حد لڑکا لڑکی دونوں کے لیے پندرہ سال ہے اور اس کی عمر ۱۷ سال ہے تو امامت کیوں نہیں کرسکتا؟ حاجی صاحب کا کہنا غلط ہے شرع شریف کے خلاف ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

۸/۷/۱۴۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

زید امام تھا چوتھی رکعت کے لئے اٹھ جانا چاہیے مگر بیٹھ گیا ابھی کچھ نہیں پڑھا تھا کہ مقتدی نے لقمہ دیا زید کھڑا ہوگیا ایسی حالت میں سجدۂ سہو واجب ہوا یا نہیں؟ جب

کہ تین تسبیح کا وقفہ گذر گیا تھا۔ بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبد المصطفیٰ محمود عالم نوری

مدرس مدرسہ نور العلوم رضا چوک، کما

الجواب: بعون الملک الوھاب: اگر بقدر تین بار سبحان اللہ کہنے کے خاموش بیٹھا رہا تو ضرور اس پر سجدہ سہو لازم ہے۔ درمختار ج ا۔ ص ۵۵۷ میں ہے: فتفکر قدر اداء رکن ولم یشتغل حالة الشك بقراءة ولا تسبیح ذکرہ فی الذخیرة وجب علیه سجود السهو" اور ردالمحتار میں ہے: "ثم الاصل فی التفکر انه ان منعه عن اداء رکن کقراءة آیة او ثلاث او رکوع او سجود او عن اداء واجب کالقعود یلزمه السهو۔" اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم، ص ۶۳۱ پر ہے: "تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک تامل کیا سجدہ سہو واجب ہوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کا کہنا ہے کہ انصاری کے پیچھے ازروئے شرع نماز جائز نہیں کبھی حرام کہتا ہے کبھی مکروہ کبھی ناجائز۔ لہٰذا دریافت یہ ہے کہ انصاری کے پیچھے ازروئے شرع نماز پڑھنا کیسا ہے؟ یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ زید اس طرح عوام میں انتشار پیدا کر رہا ہے زید کے لئے کیا حکم ہے مدلل مفصل جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں مہربانی ہوگی!

۸۶/۷/۹۲

الجواب: بعون الملک الوھاب: نماز کی امامت امامت صغریٰ ہے اس کے اندر حسب ونسب کی شرط نہیں زید کے مذکورہ اقوال محض باطل و بے اصل ہیں یہ اس کی اپنی منگوھت ہے کتاب وسنت اور فقہ وفتاویٰ میں کہیں اس کا نام ونشان نہیں ہر شخص صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأت، صحیح الفعل مرد غیر معذور خواہ وہ کسی برادری سے تعلق رکھتا ہو اس کے پیچھے نماز صحیح ہے عرفاً قوم وخاندان جیسے بھی ہوں اگر مسائل

نماز و وضو غسل کا علم انہیں زیادہ ہے اور فسق وفجور سے دور ہیں اور صحیح خواں اور صحیح الایمان ہیں تو شرعاً یہی افضل ہیں اور ان کی امامت جائز ہی نہیں بلکہ دوسروں سے اعلیٰ افضل اور اگر حاضرین میں درست خواں یہی ہیں جب تو اصلاً دوسرا خواہ شیخ و سید ہول قابل امامت نہیں۔ بدائع ج ا،ص ۱۵۶ میں ہے: "و اما بیان من یصلح للامامة فی الجملة فهو کل عاقل مسلم" اور اسی میں ہے: "عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال صلوا خلف من قال لا اله الا اللہ" اور عالمگیری ج ا،ص ۴۳ میں ہے: "الاولی بالامامة اعلمهم باحکام الصلاة فکذا فی المضمرات" اور درمختار ج ا،ص ۴۱۲ پر ہے: "و الاحق بالامامة الاعلم باحکام الصلاة ثم الاحسن تلاوة ثم الاورع ثم الاسن ثم الاحسن خلقا ثم الاحسن وجها ثم اصبحهم ثم اکثرهم حسبا ثم الاشرف نسبا ثم الاحسن صوتا ثم الاحسن زوجة ثم الاکثر مالا ثم الاکثر جاها ثم الانظف ثوبا ثم الاکبر راسا ثم المقیم علی المسافر ثم الحر الاصلی علی العتیق ثم المتیمم عن حدث علی المتیمم عن جنابة ملخصا۔ وفی المراقی ایضاً هکذا مع بعض الاختلاف بتقدیم و تاخیر۔ اور کنز ص ۲۸ میں ہے: "و الاعلم احق بالامامه ثم الاقراء ثم الاورع ثم الاسن" اور وقایہ ج ا،ص ۱۵۲ میں ہے: "و الاولی بالامامة الاعلم بالسنة ثم الاقرأ ثم الاورع ثم الاسن" اور ملتقی ص ۱۷ میں ہے: "و اولی الناس بالامامة اعلمهم بالسنة ثم اقرأهم وعن ابی یوسف بالعکس ثم اورعهم ثم اسنهم ثم احسنهم خلقاً۔" اور اس کی شرح میں ہے: "وهذا اذا لم یکن ثمه راتب فان کان قدم مطلقا وان لا تکون الصلاة فی منزل اشیان فان کانت فساکن المنزل ولو مستعیراً اولی مطلقاً یقدم الوالی علی الکل کما فی السراج۔" اور فتاویٰ تاتارخانیہ ج ا،ص

۲۰۰ میں ہے: "و العالم بالسنة اولی بالتقدیم اذا کان یجتنب الفواحش الظاهرة و ان کان غیره اورع منه و فی فتاوی الارشاد یجب ان یکون امام القوم فی الصلوٰة افضلهم فی العلم و الورع و التقویٰ و القرأة و الحسب و النسب و الجمال علی هذا اجماع الامة و فی شرح المنتقی قال الفقیه ابو اللیث رحمه الله فی مبسوطه الفقه و القرأة و الورع و السن اذا اجتمع فی واحد فهو افضل من غیره" اور عالمگیری ج ۱، ص ۴۳ میں ہے: "دخل مسجداً من هو اولی بالامامة من امام المسجد فامام المحلة اولی کذا فی القینیة۔" اور فتاوی رضویہ ج ۳، ص ۱۹۷ میں ہے:

"امامت میں بعد اس کے کہ وہ شخص جامع شرائط امامت سنی، صحیح العقیدہ غیر فاسق مجاہر ہو، قرآن عظیم صحیح پڑھتے حروف مخارج سے بقدر تمایز ادا کرتے ہوں سب سے مقدم وہی ہے کہ نماز وطہارت کے مسائل کا علم زیادہ رکھتا ہو پھر اگر اس علم میں دونوں برابر ہوں تو جس کی قرأت اچھی ہو، پھر جو زیادہ پرہیز گار ہو، شبہات سے زیادہ بچتا ہو پھر جو عمر میں بڑا ہو پھر خوش خلق ہو پھر جو تہجد کا زیادہ پابند ہو یہاں تک شرف نسب کا لحاظ نہیں جب ان سب باتوں میں برابر ہو تو اب شرافت نسب سے ترجیح ہے۔ بخاری شریف ج ۳، ص ۹۳ پر امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے باب باندھا ہے: "باب اهل العلم و الفضل احق بالامامة۔" امام بخاری علیہ الرحمہ کے اس قول سے بھی یہی ثابت ہوا کہ امامت کا زیادہ حقدار اہل علم وفضل ہیں۔

اور بالا بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں امام معین ہے اور وہ جامع شرائط امامت ہے تو وہی امامت کا حقدار ہے۔ اگر حاضرین میں کوئی اس سے زیادہ علم والا زیادہ تجوید والا ہو اور اگر کسی کے مکان میں جماعت قائم ہوئی اور صاحب خانہ میں شرائط امامت پائے جائیں تو وہی امامت کے لئے اولی ہیں۔ اگرچہ اور کوئی اس سے علم وغیرہ میں افضل ہو اور حاضرین میں والی حکومت ہے تو یہی زیادہ حقدار امامت

ہے۔ ردالمحتار میں ہے: کہ کسی کے گھر سلطان و امیر و قاضی مجتمع ہوئے تو احق سلطان پھر امیر پھر قاضی پھر صاحب خانہ۔ الفاظ یہ ہیں:

"اما اذا اجتمعوا فالسلطان مقدم ثم الامیر ثم القاضی ثم صاحب المنزل و لو مستاجر و کذا یقدم القاضی علی امام المسجد منتهی۔"

مذکورہ بیان سے اچھی طرح روشن ہوگیا کہ زید کا کہنا محض باطل اور خلاف شرع ہے۔ اور اس میں ایک مومن کی دل آزاری بھی ہے۔ جو حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے اور اس میں فتنہ بھی ہے جو قتل سے زیادہ سخت ہے۔ قال تعالیٰ: "و الذین یؤذون المؤمنین الخ۔" و قال تعالیٰ: "و الفتنة اشد من القتل" زید پر توبہ اور ان سے معافی مانگنا فرض ہے۔ و الله تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۹۲/۷۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں ہندہ کی شادی بکر سے ہوئی ہندہ نکاح کے بعد کبھی بھی بکر کے گھر نہیں گئی۔ کچھ دنوں بعد بکر کا انتقال ہوگیا۔ تقریباً انتقال کئے ہوئے سال بھر ہوگئے ہندہ زید کے ساتھ غلط کاری میں مبتلا ہوگئی جس کے نتیجہ میں ہندہ حاملہ ہوگئی ہے زید قوم کا رہبر ہے۔ وہ امامت کرتے ہیں اس کی پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ زید پر از روئے شرع کیا حکم ہے ہندہ کی شادی حالت حمل میں زید سے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب شریعت کی روشنی میں مرحمت فرمائیں۔ مہربانی ہوگی! فقط۔

السائل: محمد جمشید عالم کبیلاسہ، پوسٹ لوہارپٹی، ضلع مہوتری (نیپال)

۲۳/۱۲/۱۴۱۲ھ

۹۲/۷۸۶

الجواب: بعون الملك الوهاب: صورت مسئولہ میں جب تک زید تچی

توبہ کرکے اصلاح حال نہ کرلے اور لوگوں کو اطمینان کلی حاصل ہو نہ جائے اس وقت تک وہ قابل امامت نہیں اور حالت حمل میں نکاح ہوسکتا ہے اور اگر اسی کا حمل ہے تو صحبت بھی کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

۲۳/ ۸/ ۱۴۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ میرے یہاں ایک مولانا صاحب رہتے ہیں شہر میں کچھ ہندو مسلمان کا ہنگامہ ہوا اتفاق سے شہر کے بہت سارے لوگ گرفتار ہوئے ساتھ ہی ساتھ میں اور مولانا سب گرفتار ہوگئے۔ ہم لوگ حاجت پر تھانہ میں بند ہوئے حاجت میں ہم لوگوں کی جائے پناہ پیشاب خانہ تھا دوسرے دن ہم لوگوں کو جیل میں ڈالدیا گیا۔ جیل میں چار دن تک ناپاکی کی حالت میں رہے مولانا نے نماز پڑھائی جب کہ پانی کا بھی نظم تھا پانچویں دن جمعہ پڑا مولانا نے غسل فرمایا اور انھوں نے نماز پڑھانے کا نظم کیا۔ سامنے میں جوتا چپل رکھ دیا جب کہ مصلی کے سامنے دوسری چیز بھی رکھنے کے لئے تھیں لوگوں نے اعتراض کیا۔ پھر وہ پیشاب کی ٹوکری تھی اس کو رکھنے کی کوشش کیا پھر لوگوں نے اعتراض کیا بعد میں رکھ کر کے نماز پڑھائی میرا کھانا گھر سے آتا تھا اور مولانا کے لئے کھانا منگوایا میرا کھانا کھا کر جیل کا بنا ہوا کھانا کھایا جب کہ کہا کہ جیل میں کھانا بنانے والا ڈوم، چمار، حلال خور تھا یہی نہیں بلکہ بھٹی شراب کا دو کلال بھی گرفتار تھے ان لوگوں کے ساتھ کھانا شروع کیا اس لئے کہ ان لوگوں کا کھانا اچھا تھا اور ان لوگوں سے روپے لے کر کے باہر سے بھی کھانے کا سامان منگوائے تھے اس کو بھی ایک ہی برتن میں شامل کھائے تھے جب کہ ان لوگوں کا کاروبار جانتے تھے اور جیل سے ایک ماہ کے بعد ہم لوگوں کا بیل ہوا تو ساتھ ہی جیل کی ایک چادر مولانا گھر لے آئے اس کو میں نے نہیں دیکھا دوسرے کئی لوگوں نے دیکھا اور ان سب باتوں کی بہت سارے لوگ گواہ بھی ہیں۔ کیا ان کے پیچھے ہم لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ برائے کرم جواب جلد عنایت

فرمائیں۔ فقط والسلام۔

محمد نثار احمد، اپٹوڈیٹ ٹیلرس، اورنگ آباد (بہار)

الجواب: بعون الملک الوہاب: اسغفر اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وہ مولوی نہیں بلکہ پلید طینت خباثت پسند خبیث طبیعت فاسق فاجر ہے اس کو امام بنانا گناہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جرم اور اگر پڑھ لی ہو تو اعادہ واجب جو نماز بے طہارت پڑھائی ان کا لوٹانا فرض نماز کے لئے طہارت ایسی چیز ہے کہ بے اس کے کئے نماز ہوتی ہی نہیں بلکہ جان بوجھ کر بے طہارت نماز ادا کرنے کو علماء کفر لکھتے ہیں کہ اس نے عبادت کی توہین کی۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الطہارت کی فصل ثالث میں ہے: "عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفتاح الجنۃ الصلوٰۃ و مفتاح الصلوٰۃ الطہور۔ رواہ احمد" یعنی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت۔ اور ترمذی شریف میں ہے: "الطہور نصف الایمان" طہارت نصف ایمان ہے۔ در المختار ۵۹ میں ہے: "الطہارۃ مفتاحہا بالنص" اور رد المحتار ص ۶۰ میں ہے: "بعض المشائخ حیث قال المختار انہ یکفر بالصلوۃ بغیر الطہارۃ لا بالصلوۃ) بالثوب النجس والی غیر القبلۃ لجواز الخیر بین حالۃ العذر بخلاف الاولی فانہ لا یوتی بہا بحال فیکفر قال صدر الشہید وبہ ناخذ ذکرہ فی الخلاصۃ و الخیرۃ" اور در مختار کے اسی صفحہ میں ہے: "و فی کفر من صلی بغیر الطہارۃ مع العمد خلف" اور رد المحتار میں اسی کے تحت ہے: "انما اختلفوا اذا صلی لا علی وجہ الاستخفاف بالدین فان علی وجہ الاستخفاف ینبغی ان یکون کفرا عند الکل۔ الخ"

طاہر نفیس کو چھوڑ کر غلیظ وخبیث کو اختیار کرنا اور بے طہارت نماز ادا کرنا اور سرقہ کا

مرتکب ہونا ذلیل ترین ناپاک قوم کے ساتھ اکل وشرب کرنا اس کے خساست ورذالت اور فسق وفجور اور استخفاف نماز کی دلیل ہے۔ جو سب کے نزدیک کفر ہے۔ خداوند ذو الجلال کا خوف کرے توبہ کرے اور جنیل کی چادر واپس کرے جب تک توبہ نہ کرے لوگ مقاطعہ کریں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔**

۱۰/۳/۷ ۱۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ۔

دیہات کے اندر جمعہ کی فرض نماز کے بعد فوراً تکبیر کہہ کر ظہر کی فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز وافضل ہے یا نہیں؟ جب کہ جمعہ کی نماز ترک کرنے میں فساد یا گمراہی کا امکان ہے صحیح جواب سے نوازا جائے۔

الجواب: بعون الملك الوهاب دیہات میں نماز جمعہ جمہور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اہل دیہات پر ظہر ہی فرض ہے۔ اور رہا جماعت قریب بواجب بلکہ تارک گنہگار اور رہی جمعہ دیہات کے اندر نفل مکروہ کے درجہ میں مگر عوام کو روکنا مناسب نہیں لوگوں کو بتایا جائے کہ دیہات میں جمعہ فرض نہیں ظہر ہی فرض ہے تاکہ غیر فرض کو فرض نہ اعتقاد کرے۔ جو صورت آپ نے پیش کی ہے اس میں اگرچہ کراہت کا ارتکاب ہے مگر فرض پر عمل ہو جاتا ہے۔ جس سے ترک فرض کے الزام اور گناہ سے برأت حاصل ہو جاتی ہے۔ دفع فساد اور رفع اختلاف کے لئے اور عوام الناس کو بتدریج راہ پر لانے کے لئے یہ بہترین صورت ہے کاش فرض پر عمل کرتے ہوئے کراہت سے بچاؤ کی بھی کوئی شکل ہو جاتی۔

۹۲/۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ میرے گاؤں کے مسجد کا امام دارالعلوم دیوبند کا فارغ التحصیل ہے۔ جب گاؤں کے لوگ اس پر واقف ہوئے اور معترض ہوئے تو اس نے کہا کہ میں دیوبندیت سے توبہ

کرتا ہوں اور سنی بریلوی کو اپناتا ہوں۔ اور مسلک اعلیٰ حضرت پر چلوں گا تو باشندگان بستی مطمئن ہو گئے مگر وہ امام تا ہنوز اپنے نام کے ساتھ قاسمی لکھتا ہے اور اپنے بچوں کو دیوبندی کے مدارس میں بھیجتا ہے اور دوسروں کو بھی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اسی کے علماء کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ فی الحال میری بستی میں ایک جلسہ ہوا جلسہ کے پوسٹر میں مدرسہ کے نام کے ساتھ نوریہ لکھنے پر وہ امام اعتراض بھی کیا نیز اس جلسہ میں علمائے اہل سنت تشریف لائے ان حضرات سے بھی قطع تعلق کئے رہا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس امام کی اقتدا میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

ہم باشندگان بستی اس امام کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ نیز جو حضرات اس امام کی مذکورہ بالا باتوں پر واقف ہونے کے بعد اس کو حق جانیں مانیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں عند الشرع ان کا کیا حکم ہے؟ ایسے لوگوں کے ساتھ کس طرح کا تعلق رکھنا چاہیے؟ بینوا وتوجروا

المستفتی: (۱) محمد نعیم ادریسی رضوی (۲) محمد نعیم الدین قادری (۳) محمد مختار احمد رضوی، مدھواپور۔ مدھوبنی (بہار)

۷/۲/۱۴۱۰ھ

۹۲/۸۶ء

الحمد للہ الذی انجانا من کید الکائدین ومکر الماکرین والصلوٰۃ والسلام علی من ردّ فساد المفسدین وخیانۃ الخائنین وعلی الہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔

اما بعد فالجواب بعون الملك الوهاب اَللّٰهُمَّ هداية الحق والصواب واليه المرجع والمآب۔

شخص مذکور فی السوال لائق امامت نہیں۔ اس کی اقتداء نماز میں درست نہیں۔ اس کے پیچھے نمازیں ہرگز ہرگز نہ پڑھیں۔ اور اس کی اقتداء میں جتنی نمازیں پڑھیں

نہ ہوئیں تو بہ صادق کریں اور سب کی قضا کریں کہ یہ فی الحقیقت قاسمی اور گھٹنے درجہ کا قطعاً یقیناً دیوبندی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں:

دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے ہوگی ہی نہیں فرض سر پر رہے گا اور ان کے پیچھے پڑھنے کا شدید عظیم گناہ علاوہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہمارے تینوں ائمہ مذہب امام اعظم و امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل فرماتے ہیں: **لاتجوز الصلوٰۃ خلف اہل الاھواء**. اس میں سب برابر ہیں نمازیں پنجگانہ ہو خواہ جمعہ یا عید یا جنازہ یا تراویح کوئی نماز اس کے پیچھے ہو سکتی ہی نہیں۔ بلکہ اگر ان کو قابل امامت یا مسلمان جاننا بھی درکنار ان کے کفر میں شک ہی کرے خود کافر ہے۔ جب کہ ان کے خبیث اقوال پر مطلع ہو۔ علماے کرام حرمین شریفین بالاتفاق فرماتے ہیں: **من شک فی عذابہ و کفرہ فقد کفر**. جو شخص ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں ان کے پیچھے جو نمازیں بے خبری میں پڑھیں ان کا علاج ایک توبہ ہے۔ دوسرے یہ ضرور ہے کہ ان نمازوں کی قضا پڑھی جائے اندازہ اتنا کرلیا جائے کہ کوئی نماز باقی نہ رہ جائے زیادہ ہو جائے تو حرج نہیں تم **کلام الامام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا**۔

استفتا ملاحظہ کرنے سے اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس مذکور شخص کی دیوبندیت سے توبہ محض زبانی اور اپنے بچاؤ کے لیے تھی دیوبندیت کا فساد دل سے گیا نہیں۔ پھر سنی بریلوی کو اپنانے کا ادعا۔ اور مسلک اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز پر چلنے کا وعدہ سب اس کے دھوکے اور مغالطے ہیں اور صریح مخادعت و منافقت اس کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اس خبیث حیلے و بہانے سے سنی عوام کو فریب اور دھوکوں میں رکھا جائے اور اس توبہ کی آڑ میں دیوبندیت کی ترویج و اشاعت کی جائے۔ اور قاسمی اس

لیے لکھتا رہا کہ عوام کو کیا خبر کہ کس شقی کی طرف یہ اپنے کو منسوب کر رہا ہے اور دیوبندیوں کو اس کا یقین کامل رہے کہ یہ قاسم نانوتوی کا نمک خوار غلام ہے اور اب تک تھانوی گنگوہی کی حلقہ بگوشی سے جدا نہیں ہوا ہے۔ **ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

اس کا اپنے نام کے ساتھ قاسمی لکھنا علمائے دیوبند سے وِداد و اتحاد منانا۔ بچوں کو دیوبندی مدارس میں بھیجنا اور اسی کی طرف عوام کو رغبت دلانا علماے اہل سنت سے نفرت کرنا، نور یہ نام سے عداوت دیکھنا اور آشوب چشم کے مریض یا کور چشم یا شپرہ چشم کی طرح نور کی تابانی سے دکھ پانا، بھاگنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ شخص میرے درجہ کا بے دین بد دین پیر و جماعت دیوبندیہ مرتدین ہے۔ **خذلھم المولیٰ تعالیٰ اجمعین** اور اس کی ساری عیاری، مکاری، فریب کاری، دغابازی، غداری مسلک دیوبندیت کی حمایت اور اشاعت کے لیے ہو رہی ہے اور اس کا سارا پروگرام سنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو غارت کرنے کا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ ابن ابی کا خلف قاسم کا غلام اہل سنت کا سخت دشمن اور شدید بدخواہ اور دیوبندیت کا پکا بہی خواہ اور اسی کا معین و مددگار اور اسی میں دل فگار اور اسی کا غمگسار اور اسی میں گرفتار۔

اعاذنا اللہ العزیز الغفار۔ ایسے ہی خبیث الباطن منافق کے بارے میں قرآن عظیم کا فرمان ہے:

ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھھم. وما تخفی صدورھم اکبر. قد بینا لکم الآیٰت ان کنتم تعقلون. ھآانتم اولاء تحبونھم ولا یحبونکم وتؤمنون بالکتٰب کلہ. واذا لقوکم قالوا اٰمنا. واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ. قل موتوا بغیظکم. ان اللہ علیم بذات الصدور. ان تمسسکم حسنۃ تسؤھم. وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا. وان تصبروا و تتقوا لا یضرکم کیدھم

شيئًا. ان الله بما يعملون محيط. (پ:۴،ع:۳)

ترجمہ: ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے، بیران کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے۔ ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنادیں اگر تمہیں عقل ہو۔ سنتے ہو یہ جو تم ہو تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے اور حال یہ کہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو۔ اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے تم فرمادو کہ مرجاؤ اپنی گھٹن میں۔ اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔ تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں۔ اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کئے رہو۔ تو ان کا داؤ تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا بے شک ان کے سب کام خدا کے گھیرے میں ہیں۔ صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم ونحن على ذلك لمن الشاهدين.

ان آیات کریمہ کی تلاوت کرتے اور ان کے معانی پر غور کرتے جائیں اور مذکور فی السوال کے اقوال واعمال واحوال کو پیش نظر رکھ کر مطابقت کرتے جائیں رب کعبہ کی قسم ایک سرمو فرق نہیں پائیں گے۔ قرآن عظیم کا بالیقین یہ معجزہ باہرہ ہے اور جو اس چالباز دغاباز کے احوال ملعونہ سے باخبر یا بے خبر ہو اس کے ساتھ تعلق رکھتے نمازیں پڑھتے حق پر جانتے وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ ساتھ چھوڑیں اور تعلق ختم کریں اور انہیں بتائیں کہ یہ بددیانت فرقہ خبیثہ دیوبندیہ میں شامل اور اس کی حمایت میں کامل اور اہل سنت سے بلاشبہ خارج ہے اور جماعت دیوبندیہ کے سرغنہ قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھی، اور اشرف علی تھانوی سب کو نام بنام حسام الحرمین شریف اور الصوارم الہندیہ میں تمام عرب وعجم حل وحرم ہند و پاک کے علمائے اہل سنت نے بالاتفاق کافر ومرتد قرار دیا ہے اور ایسا کہ جو ان مذکورہ اربعہ کے کفار و مرتدین اور معذبین ہونے میں شک بھی کرے تو خود کافر جب کہ ان کے اقوال ملعونہ

مردودہ مخذولہ پر مطلع ہو۔

قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند جس کے نام کی طرف اس نے اپنے کو منسوب کر کے قاسمی لکھتا ہے اس کے صریح کفریات میں سے ایک کفر یہ ہے کہ اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین بمعنی آخر الانبیا ہونے کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ تحذیر الناس ص: ۳ پر لکھا ہے:

آپ کا خاتم ہونا بایں معنی کہ آپ سب میں پچھلے نبی ہیں عوام کا خیال ہے۔ جب کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب میں پچھلے نبی ہونا نہ مانے وہ کافر ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا لم يعرف ان محمداً صلى الله عليه وسلم آخر الانبياء فليس بمسلم لانه من الضروريات.

جو شخص یہ نہ جانے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء میں سب سے پچھلے نبی ہیں وہ مسلمان نہیں کہ حضور کا آخر الانبیاء ہونا ضروریات دین سے ہے۔

رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھی کے کفریات صریحہ سے یہ ہے کہ دونوں نے براہین قاطعہ کے ص: ۵۱ پر لکھا کہ شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے اس کا حاصل یہ کہ شیطان اور ملک الموت کا علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک سے زیادہ ہے اور یہ نص سے ثابت ہے۔ حالانکہ اس پر بھی علمائے امت کا اجماع ہے کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے کسی کا علم زیادہ بتائے وہ کافر ہے۔

حسام الحرمین شریف ص: ۱۰۲ میں ہے:

من قال فلان اعلم منه صلى الله عليه وسلم فقد عابه ونقصه فهو ساب والحكم فيه حكم الساب من غير فرق لا تستثنى منه صورة

وھذا کلہ اجماع من لدن الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

جو کسی کا علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگایا اور حضور کی شان گھٹائی تو وہ گالی دینے والا ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والا کا ہے۔ اصلاً فرق نہیں اس میں ہم کسی صورت کا استثنیٰ نہیں کرتے اور ان تمام احکام پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے اب تک برابر اجماع چلا آرہا ہے۔

اور اشرف علی نے حفظ الایمان کے ص:۸ پر لکھا:

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے حاصل ہے۔

اس میں تصریح ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چوپائے کو حاصل ہے۔ معاذ اللہ۔

اس عبارت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی توہین ہے اور امت کا اجماع اس پر بھی ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے وہ کافر ہے اور جو اس کو کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہے۔ جیسا کہ شفا شریف میں سیدنا قاضی عیاض اور ردالمحتار میں علامہ شامی نے تحریر فرمایا:

اجمع المسلمون علی ان شاتم النبی کافر من شك فی عذابه و کفرہ کفر. مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی توہین کرنے والا کافر ہے ایسا کہ جو اس کے کافر اور معذب ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فتاویٰ رضویہ ج:۶ ص:۹۱ میں فرماتے ہیں:

جب ان کو مسلمان سمجھنا درکنار ان کے کفر میں شک کرنا موجب کفر ہے تو معاذ اللہ انہیں عالم دین یا پیر و سنت سمجھنا کس درجہ اخبث کفر ہوگا و ذالک جزاء الظالمین۔

اور ج:۶ ص:۵۵ پر فرماتے ہیں کہ:

مرتدوں میں سب سے بدتر مرتد منافق ہے۔ یہی وہ ہے کہ اس کی صحبت ہزار کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ یہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے۔ خصوصاً وہابیہ خصوصاً دیوبندیہ کہ اپنے آپ کو خاص اہل سنت کہتے، حنفی بنتے چشتی نقشبندی بنتے، نماز و روزہ ہمارا سا کرتے ہماری کتابیں پڑھتے پڑھاتے اور اللہ و رسول کو گالیاں دیتے ہیں، یہ سب سے بدتر زہر قاتل ہیں۔

اور اسی کے ج:۶ ص:۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

کفر اصل کی ایک سخت قسم نصرانیت ہے اور اس سے بدتر مجوسیت اس سے بدتر بت پرستی اس سے بدتر وہابیت اور ان سے بدتر اور خبیث تر دیوبندیت۔

پھر فرماتے ہیں: اگر تمہاری نفرت اللہ کے لیے ہوتی تو افعال سے ایک درجہ ہوتی۔ بت پرستوں سے لاکھوں درجہ ہوتی۔ اگر بت پرستوں سے لاکھ درجہ ہوتی۔ دیوبندیوں سے کروڑوں درجہ ہوتی۔

اقول: فرقہ پھلواریہ سے اربوں درجہ ہونی چاہیے کہ یہ دیوبندیوں سے بھی بدتر اور خبیث تر ہیں کہ یہ فرقہ پھلواریہ حنفی، چشتی، نقشبندی بننے کے علاوہ قادری بھی بنتے۔

اور عرس و فاتحہ اور میلاد و قیام سب کچھ کرتے اور عقائد کفریہ اور خیالات فاسدہ رکھتے، دیوبندیہ غیر مقلدیہ وغیرہما کے عقائد باطلہ اور اقوال ملعونہ پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو مسلمان جانتے۔ پیر و سنت گردانتے، متقی و پرہیزگار سمجھتے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم. وشھدوا علی انفسھم انھم کانو کافرین. معاذاللہ رب العلمین من شر المفسدین و کید الکافرین.

اگر اس سے تعلق رکھنے والے افہام و تفہیم سے اپنا تعلق منقطع کرلیں فبہا ورنہ ان سب کا بھی وہی حکم ہے جو دیوبندیوں کا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ومن یتولھم منکم فانہ منھم. (پ ۶، ع ۱۲) تم

میں سے جو ان سے تعلق دوستی رکھے وہ بلاشک انہیں میں سے ہے۔ ان سے سلام وکلام پاس بیٹھنا، بیٹھانا بیمار ہو تو اس کی عیادت ، مرجائے تو جنازہ میں شرکت ، اس کے ساتھ مواکلت و مناکحت سب ناجائز و حرام اور سخت حرام۔

قال اللہ تعالیٰ فلاتقعد بعد الذکری مع القوم الظّٰلمین۔

(پ ۷، ۱۳) ان ظالموں کے پاس یاد آنے پر مت بیٹھ او رفرماتا ہے۔

ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ (پ ۱۲، ۱۰)

اور میل نہ کرو ظالموں کی طرف کہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم۔ (مسلم، ج ۱، ص ۱۰)

ان سے دور بھاگو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

اور فرماتے ہیں: **لاتجالسوھم ولا تواکلوھم ولا تشاربوھم واذا مرضوا لاتعودوھم واذماتوا فلاتشھدوھم ولا تصلوا علیھم والا تصلوا معھم۔** (مستدرک ۳/۲۳۶) نہ ان کے پاس بیٹھو نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ ان کے ساتھ پانی پیو، بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو، مرجائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ نہ ان پر نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: **ولاتصل علیٰ احد منھم مات ابداً ولاتقم علیٰ قبرہ۔** (پ ۱۰، ع ۱۷) ان میں کبھی کسی کے جنازہ کے نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا۔

بالابیان سے تمام فرقہائے باطلہ دیوبندیہ غیر مقلدیہ، نیچریہ، چکڑالویہ، پھلواریہ وغیرہم گروہ ناریہ اور ان کے اذناب واتباع کے احکام بخوبی روشن ہوگئے۔

فاعتبروا یااولی الابصار۔

اب رہ گئی یہ بات کہ باشندگان سنی اس کی توبہ سے مطمئن ہوگئے۔ مگر معلوم ہے کہ بدمذہب کی توبہ پر اطمینان کے لیے کتنی مدت درکار ہے اور توبہ کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک ہو۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سے ساعت فرمایئے۔

فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص: ۲۵۶ پر ہے:

اس کے ساتھ (تائب کے ساتھ) بندوں کے معاملے تین قسم ہیں، ایک یہ کہ گناہ کی اس کو سزا دی جائے، اس پر یہاں قدرت کہاں دوسرے یہ کہ اس کے ارتباط واختلاط سے تحفظ وتحرز کیا جائے کہ بدمذہب کا ضرر سخت متعذر ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کی تعظیم وتکریم مثل قبول شہادت واقتدائے نماز وغیرہ سے احتراز کریں۔

یہاں تک کہ اس کی صلاح حال ظاہر ہو اور مسلمان کو اس کے صدق توبہ پر اطمینان حاصل ہو اس لیے کہ بہت عیار اپنے بچاؤ اور مسلمان کو دھوکا دینے کے لیے زبانی توبہ کرلیتے ہیں اور قلب میں وہی فساد بھرا ہوتا ہے۔ عراق میں ایک شخص صبیغ بن عسل تمیمی کے سر میں کچھ خیالات بدمذہب گھومنے لگے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور عرضی حاضر کی گئی۔ طلبی کا حکم صادر فرمایا۔ وہ حاضر ہوا۔ امیر المومنین نے کھجور کی شاخیں جمع کر رکھیں اور اسے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ فرمایا تو کون ہے؟ کہا میں عبداللہ صبیغ ہوں۔ فرمایا اور میں عبداللہ عمر ہوں اور ان شاخوں سے مارنا شروع کیا کہ خون بہنے لگا، پھر قید خانہ میں بھیج دیا، جب زخم اچھے ہوئے۔ پھر بلایا اور ویسا ہی مارا پھر قید کرایا۔ سہ بار پھر ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ بولا یا امیر المومنین واللہ اب وہ ہوا میرے سر سے نکل گئی۔ امیر المومنین نے اسے حاکم یمن حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا اور حکم فرمایا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھے، وہ جدھر گزرتا اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے سب متفرق ہوجاتے۔ یہاں تک کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرضی بھیجی کہ یا امیر المومنین اب اس کا حال صلاح پر ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت فرمائی۔

دارمی سنن میں اور نصر مقدسی وابو القاسم اصبہانی دونوں کتاب الحجۃ میں ابن الانباری کتاب المصاحف اور لالکائی کتاب السنہ اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں سلیمان ابن یسار سے راوی:

ان رجلا من بنی تمیم یقال له صبیغ بن عسل قدم المدینة وکان عندہ کتب فکان یسأله عن متشابه القرآن فبلغ ذالك عمر رضی الله تعالٰی عنه فبعث الیه وقد اعدله عراجین النخل فلما دخل علیه قال من انت قال انا عبدالله صبیغ قال عمر رضی الله عنه وانا عبدالله عمر واوما الیه فجعل یضربه بتلك العراجین فما زال یضربه حتی شجه وجعل الدم یسیل علی وجهه فقال حسبك یا امیر المؤمنین والله فقد ذهب الذی اجد فی راسی ولنصر وابن عساکر عن ابی عثمان النهدی عن صبیغ کتب یعنی امیر المؤمنین الی اهل البصرة ان لاتجالسوا صبیغاً قال ابوعثمان فلوجاء ونحن مائة لتفرقنا عنه وللدارمی وابن عبد الحکیم وابن عساکر عن مولی ابن عمر قال قال له عمر عم تسأل محدثه فارسل الی عمر یطلب الجرید ضربه بها حتی ترك ظهره دبرة ثم ترکه حتی براء ثم دعابه لیعودبه فقال صبیغ یا امیر المؤمنین ان کنت ترید قتلی فاقتلنی قتلا جمیلاً وان کنت ترید تداوینی فقد والله برات فاذن له الی ارضه وکتب له الی ابی موسی الاشعری ان لایجالسه احد من المسلمین فاشتد ذالك علی الرجل فکتب ابو موسی الی عمر ان قد حسنت هیئة فکتب ان ائذن للناس فی مجالسته ولابن الانباری ولنصر واللالکائی وابن عساکر عن السائب بن یزید رضی الله تعالٰی عنه وذکر القصة قال فلم یزل یعنی صبیغاً وضیعاً فی قومه حتی هلك وکان سید قومه.

پھر صحت توبہ پر اطمینان کتنی مدت میں حاصل ہوتا ہے صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی مدت معین نہیں کر سکتے جب اس شخص کی حالت کے لحاظ سے اطمینان ہو جائے کہ اب اس کی اصلاح ہوگئی اس وقت دو قسم اخیر کے معاملات برطرف ہوں گے۔

فتاوی امام قاضی خان پھر فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

الفاسق اذا تاب لاتقبل شهادته مالم یمض علیه زمان یظهر علیه اثر التوبة والصحیح ان ذالك مفوض الی راء القاضی.

ظاہر ہے کہ یہ بات نظر بحالات مختلف ہو جاتی ہے۔ ایک سادہ دل راست گو سے کوئی گناہ ہوا اس نے توبہ کی اس کے صدق پر جلد اطمینان ہو جائے گا اور دروغ گو مکار کی توبہ پر اعتبار نہ کریں گے اگرچہ ہزار مجمع میں تائب ہوا۔ امام اجل ملک العلما ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی بدائع میں فرماتے ہیں:

المعروف بالکذب لاعدالة له فلا تقبل شهادته ابدا وان تاب بخلاف ما وقع فی الذنب سهواً وابتلی به مرة ثم تاب والله تعالٰی اعلم. (عالمگیری، ج ۳، ص ۴۶۸)

ان تصریحات سے واضح و اظہر من الشمس ہو گیا کہ جب تک تائب توبہ کے بعد اپنی اصلاح نہ کرے اور اس کی صلاح حال ظاہر نہ ہو جائے اس کی توبہ قابل اطمینان نہیں، اس کے احوال و اعمال و اقوال کی درستگی سے پہلے عزت و کرامت کی جگہ اسے بیٹھانا منبر پر کھڑا کرنا یا مسجد کا امام بنانا اس کی اقتدار میں نماز پڑھنی یا اس کی گواہی قبول کرنی یا بچوں کو اس کی تعلیم میں دینا ہرگز روا نہیں۔

اب یہ سنئے کہ توبہ کیسی ہونی چاہیے؟ اس کے شرائط و احکام کیا ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: توبو الی الله توبة نصوحاً. (پ: ۲۸) اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے۔

خزائن العرفان میں اس کے تحت ہے یعنی توبہ صادقہ جس کا اثر توبہ کرنے

والے کے اعمال میں ظاہر ہواور اس کی زندگی طاعتوں اور عبادتوں سے معمور ہو جائے اور وہ گناہوں سے مجتنب رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور دوسرے اصحاب نے فرمایا توبہ نصوح وہ ہے کہ توبہ کے بعد آدمی پھر گناہ کی طرف نہ لوٹے، جیسا کہ نکلا ہوا دودھ پھر تھن میں واپس نہیں ہوتا۔ اور نورالعرفان میں اسی کے تحت ہے سچی توبہ جس کا اثر یہ ہو کہ برے اعمال چھوٹ جائیں۔ نیک کاموں کی عادت پڑ جائے۔ توبہ کی حقیقت گزشتہ پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عہد ہے۔ توبہ بہت قسم کی ہے کفر سے توبہ فسق سے توبہ حقوق العباد سے توبہ وغیرہ۔ توبۃ النصوح یہ ہے کہ آدمی توبہ کے بعد گناہ کی طرف نہ لوٹے جیسے تھن سے نکلا ہوا دودھ تھن میں نہیں لوٹتا۔

روح البیان ج ۱۰، ص ۶۲ اور روح المعانی، ج ۲۸، ص ۲۹۰ میں ہے:

وعن علی رضی اللہ عنہ انہ سمع اعرابیا یقول اللھم انی استغفرک و اتوب الیک فقال یا ھذا ان سرعۃ اللسان بالتوبۃ توبۃ الکذابین قال وما التوبۃ قال ان التوبۃ یجمعھا ستۃ اشیاء علی الماضی من الذنوب الندامۃ وللفرائض الاعادۃ ای القضاء صلاۃً اوصوماً اوذکوۃً اونحوھا ورد المظالم واستحلال الخصوم وان تعزم علی ان لاتعود وان تذیب نفسک فی طاعۃ اللہ کما ربیتھا فی المعصیۃ وان تذیقھا مرارۃ الطاعۃ کما اذقتھا حلاوۃ المعاصی. انتھی واللفظ للبیان.

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک اعرابی کو سنا کہ وہ دعا کر رہا تھا، اے اللہ! میں تجھ سے مغفرت طلب کر رہا ہوں اور تیری بارگاہ میں گناہوں سے توبہ کر رہا ہوں۔ فرمایا اے اعرابی زبانی توبہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے۔ عرض کیا کہ فرمایا جائے، حضور سچوں کی توبہ کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ جس توبہ میں یہ چھ چیزیں پائی جائیں۔ (۱) جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں ان پر ندامت (۲) جو فرض نماز و روزہ زکوۃ

وغیرہ ادا نہ ہوئے ان کی قضا (۳) کسی کا حق غصب کیا ہے تو اسے لوٹا دینا یا حق والے سے اس کی اجازت حاصل کر لینا (۴) اور آئندہ گناہ نہ کرنے پر پختہ ارادہ کر لینا (۵) جس طرح پہلے تو نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے فربہ کیا ہے اب اطاعت الٰہی میں اس کو پگھلا دے۔ (۶) اور جس طرح اس کو گناہوں کا پہلے میٹھا مزہ چکھایا اب اسے اطاعت الٰہی میں مزہ چکھاتا رہے یہ ہے سچوں کی توبہ۔

وفی روح المعانی عن ابن عباس قال: قال معاذ بن جبل یا رسول اللہ ماالتوبۃ النصوح قال ان یندم العبد علی الذنب الذی اصاب فیعتذر الی اللہ تعالیٰ ثم لایعود الیہ کما لا یعود اللبن الی الضرع.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ توبہ نصوح کیا؟ ارشاد فرمایا کہ جو گناہ بندہ سے صادر ہو گیا اس پر وہ نادم ہو کر بارگاہ الٰہی میں معذرت طلب کرے۔ پھر گناہ کی طرف نہ پلٹے، جس طرح دودھ تھن کی طرف نہیں پلٹتا۔

خازن شریف ج: ۴ ص: ۲۸۷ میں ہے:

قال عمر بن الخطاب وابی بن کعب ومعاذ التوبۃ النصوح ان یتوب ثم لایعود الی الذنب کما لایعود اللبن الی الضرع وقال الحسن ھی ان یکون العبد نادماً علی مامضی مجمعاً علی ان لایعود الیہ وقال الکلبی ان یستغفر باللسان ویندم بالقلب ویمسک بالبدن وقال سعید بن المسیب معناہ توبۃ تنصحون بھا انفسکم وقال محمد بن کعب القرظی التوبۃ النصوح یجمعھا اربعۃ اشیاء الاستغفار باللسان والاقلاع بالابدان واضمار ترک العود بالجنان ومھاجرۃ سیٔ الاخوان.

اور مدارک شریف میں ہے:

وجاء مرفوعاً التوبة النصوح ان یتوب ثم لایعود الی الذنب الی ان یعود اللبن فی الضرع وعن حذیفة بحسب الرجل من الشر ان یتوب عن الذنب ثم یعود فیه وابن عباس رضی الله عنه هی الاستغفار باللسان والندم بالجنان والاقلاع بالارکان ص:۲۸۷ اور صاوی شریف میں ہے: واعلم ان التوبة ممالا یتعلق به حق الآدمی لها شروط ثلثة ان یقلع عن المعصیة فی الحال وان یندم علی ما فعله وان یعزم علی انه لایعودو ان کانت متعلقة بحق آدمی فیزاد علی هذه الثلاثة رد المظالم الی اهلها ان امکن والافیکفی استسماحهم وهی واجبة من کل ذنب کا کبیرة اوصغیرة باجماع لما ورد یایها الناس توبوا الی الله فانی اتوب الیه فی الیوم مائة مرة وفی روایة انی لاستغفر الله واتوب الیه فی الیوم اکثر من سبعین مرة انتهی: (ج ۴ ص:۲۲۶)

اور خازن شریف ۴ ص ۳۱۶ میں ہے:

وقال العلماء التوبة واجبة من کل ذنب علی الفور ولا یجوز تاخیرها سواء کانت المعصیة صغیرة او کبیرة فان کانت المعصیة بین العبد وبین الله تعالیٰ لا تتعلق بحق آدمی فلها ثلثة شروط احدها ان یقطع عن المعصیة والثانی ان یندم علی فعلها والثالث ان یعزم علی ان لایعود الیها ابدا فاذا اجتمعت هذه الشروط فی التوبة کانت نصوحاً وان فقد شرط منها لم تصح توبته فان کانت المعصیة تتعلق بحق آدمی فشروطها اربعة هذه الثلاثة المتقدمة والرابع ان یبرأ من حق صاحبها فان کانت المعصیة مالا ونحوه رده الی صاحبه وان کان حد قذف او نحوه مکنه من نفسه او طلب عفوه وان کانت غیبة

استحله منها ویجب ان یتوب العبد من جمع الذنوب فان تاب من بعضها صحت توبته من ذالك الذنب وبقی علیه مالم یتب منه هذا مذهب اهل السنة وقد تظاهرت دلائل الکتاب والسنة واجماع الامة علی وجوب التوبة.

یعنی علما نے فرمایا کہ ہر گناہ سے فوراً توبہ واجب ہے۔ دیر کرنا جائز نہیں۔ خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ پھر اگر گناہ بندہ اور خدا کے درمیان ہے کسی آدمی کا حق اس گناہ سے متعلق نہیں تو اس توبہ کے لیے تین شرطیں ہیں (۱) گناہ سے تائب پورے طور پر جلد ہو جائے۔ (۲) اس گناہ کے ارتکاب پر دل سے شرمندہ ہو (۳) آئندہ کبھی بھی اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو تو جب یہ تینوں شرطیں توبہ میں جمع ہوں گی تو وہ توبہ نصوح ہوگی پھر اگر کسی آدمی کے حق سے گناہ متعلق ہے تو اس توبہ کی چار شرطیں ہیں۔ یہ تینوں پیش کردہ اور چوتھی شرط یہ ہوگی کہ توبہ کرنے والا صاحب حق سے خلاصی پائے۔ اگر کسی کا مال وغیرہ لیا ہے تو اسے صاحب حق کو لوٹا دے اور اگر حد قذف کا سزا وار ہوا ہے تو اسے اپنے اوپر قدرت دے یا اس سے معافی طلب کرے اور اگر غیبت ہو تو معافی مانگ کر نجات حاصل کرے اور سارے گناہوں سے توبہ کرنا، بندہ پر واجب ہے پھر اگر بعض گناہ سے توبہ کرے گا تو اس گناہ سے اس کی توبہ صحیح ہے اور جن گناہوں سے توبہ نہ کرے گا وہ اس کے ذمہ باقی رہے گا۔ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ اور توبہ کے وجوب پر کتاب وسنت اور اجماع امت کی دلیلیں ظاہر وباہر ہیں۔

تفسیر ابن عباس میں ہے:

(توبة نصوحاً) خالصا صادقاً من قلوبکم وهو الندم بالقلب والاستغفار باللسان والاقلاع بالبدن والضمیر علی ان لایعود الیه ابداً.

یعنی توبہ ہو تو سچے دل سے ہو، مکاری ریاکاری سے نہ ہو توبہ کے بعد کردار و

گفتار کے مطابق ہوجائے۔ ایسا نہ ہو کہ بت پرستی سے توبہ کرے اور جنو پہنے رہے۔ عیسائیت سے توبہ کرے اور گرجا گھر جاتا رہے۔

دیوبندیت سے توبہ کرے اور اس کی ٹوپی سر پر رہے۔ وہابیت سے توبہ کرے اور نجد کا لباس زیب تن رہے۔ پھلواروییت سے توبہ کرے اور اس کا لنگر کھانا اترے اور جس سے توبہ کیا ہے اسی کو فروغ دینے کی کوشش کرتا رہے: **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

جس گناہ اور بد مذہبی کو جس طرح کیا جس زور وشور کے ساتھ اشاعت کرتا رہا اسی طرح انشراح قلب کے ساتھ اسی زور وشور کے ساتھ اس کا اعلان کردے، اس کا رد کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ۔ جب تو گناہ کرے تو فوراً توبہ کر خفیہ کی خفیہ اور اعلانیہ کی اعلانیہ پھر اس کے صدق توبہ پر اطمینان ہوگا۔

مسلمان بھائیوں کے فائدہ کے واسطے قدرے طول دیا ہے کہ دوست ودشمن کے درمیان فرق جانیں۔ پاک وناپاک کے درمیان امتیاز کریں۔ تہتر فرقوں میں بہتر کو دوزخی سمجھیں اور ایک ہی جماعت کو برحق اور جنتی اعتقاد کریں اور عقیدہ رکھیں کہ بلاشبہ جنتی فرقہ فرقہ اہل سنت وجماعت ہے اور دیوبندیہ، وہابیہ، پھلوارویہ، قادیانیہ، خارجیہ، ناصبیہ، رافضیہ، نیچریہ، چکڑالویہ وغیرہا فرقہائے باطلہ سب ناری ہیں۔ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی کے گستاخ و بدگو یا ان کے حامی ہیں، اس اطراف میں دیوبندیوں، وہابیوں، پھلواریوں کا فتنہ سخت ہے۔ ان سب سے جدا رہنا تعلق منقطع کرنا فرض اور اہم فرض ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعظیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم کتنی ہی عقیدت کتنی ہی دوستی کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو جیسے تمہارے باپ تمہارے استاذ، تمہارے پیر تمہارے اولاد تمہارے بھائی تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کریں اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت ان کی محبت کا نام نشان نہ رہے۔ فوراً ان سے الگ ہوجاؤ، دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کی صورت ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر نہ تم اپنے رشتے علاقے، دوستی الفت کا پاس کرو نہ اس کی مولویت مشیخیت بزرگی فضیلت کو خطرے میں لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی غلامی کی بنا پر تھا، جب یہ شخص انہیں کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا، اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں۔ کیا بہتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے، عمامے نہیں باندھتے، اس کے نام علم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں بہتیرے پادری بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے۔ اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی اس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی یا اسے ہر بڑے سے بدتر بڑا نہ جانا یا اسے برا کہنے پر برا مانا یا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پرواہی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی تو للہ تمہیں انصاف کرلو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے قرآن وحدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا، اس سے کتنی دور نکل گئی، مسلمانوں کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی، وہ ان کی بدگوئی وقعت کرسکے گا؟ اگرچہ اس کا پیر یا استاذ یا پدر ہی کیوں نہ ہو کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہان سے زیادہ پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ

کرے گا؟ اگر چہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو۔ للہ اپنے حال پر رحم کرو اور اپنے رب کی بات سنو دیکھو وہ کیوں تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے، دیکھو تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

لا تجد قوماً یومنون باللہ والیوم الآخر یوآدون من حاد اللہ و رسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان: (پ ۲۸ مجادلہ ۲۲)

آیت کریمہ میں صاف فرمادیا کہ جو اللہ یا رسول اللہ کی جناب میں گستاخی کرے مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا جس کا صریح مفاد ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا، پھر اس کا حکم قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ بیٹے بھائی عزیز سب کو گنایا یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے زعم میں معظم یا کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو۔ ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے اس کی وقعت نہیں مان سکتے ورنہ مسلمان نہ ہوگے انتہی کلام الامام رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔ (تمہید ایمان)

اس مختصر فتویٰ دافع طغوی نافع تقوی رافع بلوی کو امام اہل سنت کی اس نصیحت و موعظت اور دل میں بیٹھ جانے والی ہدایت پر بس کرتا ہوں۔ نسئل اللہ العفو والعافیۃ والمعافات الدائمۃ فی الدنیا والآخرہ نعوذ باللہ من اہل النار ومن شر الشرار وحال ذی الضلالۃ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم وبارک علیٰ سید المرسلین والہ واصحابہ اجمعین الیٰ یوم القیامۃ والحمد للہ الذی اقامنا علی الھدایۃ فی البدایۃ والنھایۃ واللہ اعلم وعلمہ احکم واتم۔

۲۱/۱/۱۴۱۱ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) اگر کسی مسجد میں جماعت ہو چکی ہے اور کچھ لوگ نماز ادا نہیں کی ہیں بلکہ کسی ضرورت سے کہیں چلے گئے اب اگر وہ لوگ اپنی جماعت کرنا چاہیں تو تکبیر کہہ سکتے ہیں؟ خالد کہتا ہے کہ نہیں کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ تکبیر ہو چکی ہے۔

(۲) کیا چین والی گھڑی نمازی میں مکروہ ہے؟ یا نماز سے باہر بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز سے باہر پہن سکتے ہیں کیا یہ درست ہے۔

سگ بارگاہ حبیش محمد مشتاق احمد برکاتی

الجامعۃ الغوثیہ بستی پور۔ ۳۰ جنوری ۱۹۹۱

الجواب: بعون الملک الوھاب (۱) کہہ سکتے ہیں فتاویٰ رضویہ ج:۳ ص:۳۷۲ میں ہے: جماعت ثانیہ کے لئے اعادہ اذان ناجائز ہے تکبیر میں حرج نہیں۔

(۲) باہر ناجائز ہے اس لئے نماز میں ناجائز ہے، کسی صورت اس کا پہننا درست نہیں، بہار شریعت حصہ شانزدہم ج:۱۶ ص:۴۳ میں ہے:

سونے چاندی کی زنجیر گھڑی میں لگا کر اس کو گلے میں پہننا یا کاج میں لٹکانا یا کلائی پر باندھنا منع ہے (ردالمحتار) بلکہ دوسری دھات تانبے پیتل لوہے وغیرہ کی چینوں کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ان دھاتوں کا بھی پہننا ناجائز ہے۔

احکام شریعت ج:۲ ص:۱۰۷ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس عرض، خالال تانبے پیتل کا گلے میں لٹکانا کیسا ہے؟ کے جواب میں فرمایا ارشاد: ناجائز ہے کیونکہ یہ تعلیق کے حکم میں ہے، ویسے جائز ہے اور سونے چاندی کا حرام ہے بلکہ عورتوں کو بھی ایسے ہی سونے چاندی کے ظروف میں کھانا ناجائز ہے اور گھڑی کی چین بھی عام از یں کہ چاندی کی ہو یا پیتل کی۔ ہاں ڈورا باندھ سکتا ہے۔

اور اسی میں ج:۲ ص:۱۴۱ میں ہے:

گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع اور جو چیزیں

منع کی گئیں ہیں ان کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہے۔

ان بالا تصریحات سے روشن ہوا کہ چین کا پہنا خواہ نماز ہو یا نماز کے باہر ممنوع و ناجائز ہے فاقول۔ اس کا عادی فاسق ہے اور لائق امامت نہیں اگر چہ بوقت نماز نکال دے اور ایسوں کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادہ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۰/۷/۱۴۱۱ہجری

۸۶/۹۲ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زید ایک میاں جی ہے اس کی بیوی بلا اس کی اجازت کے نسبندی کرالی ہے۔ پانچ سال قبل زید بستی میں مولوی کے نہ رہنے پر مسجد میں امامت بھی کرتا ہے ایسے شخص کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے۔

سائل ماسٹر محمد مجیب الرحمٰن

مقام چتری ۱۱/۱/۱۴۱۲ہجری

الجواب: بعون الملک الوھاب

نسبندی حرام ہے، اس کا مرتکب فاسق اور عورت فاسقہ مگر عورت نے جب ایسا کیا اور شوہر کو اس کی اس وقت خبر نہ ہوئی اور جب خبر ہوئی تو اس سے بیزاری کا اظہار کر دیا اور اس فعل قبیح کو ناجائز ہی سمجھا اور عورت کو تنبیہ کر دی تو اس میاں جی پر الزام نہیں صحیح العقیدہ صحیح القراۃ ہے اور مسائل نماز سے پوری واقفیت رکھتا ہے اور صحیح الاعمال ہے، فسق وفجور سے دور رہتا ہے تو وہ امامت بھی کر سکتا ہے اور بچوں کو تعلیم دے سکتا ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب**

۱۱/۱/۱۴۱۲ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید خارج نماز میں چین والی گھڑی ضرورت کے تحت استعمال کرتا ہے۔ کیا اس کے پیچھے نماز حرام

و ناجائز ہے؟

(۲) عوام کی طرف سے جو چھٹی مدرسین کو ملتی ہے کیا اس دن کی تنخواہ لینا حرام؟

(۳) مولوی کو نذرانہ طلب کرنا حرام ہے؟

(۴) وہ امام جن کا طعام وقیام مسجد میں ہوتا ہے مگر کھانے میں پیاز استعمال کرتا ہے کیا ان کے پیچھے نماز حرام و ناجائز ہے؟

(۶) زید اپنے امام پر تہمت لگاتا ہے حالانکہ زید اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے زید پر شرعی حکم کیسا ہے؟

(۷) زید مولوی ہے اس کے گاؤں کے سارے لوگ عالم تسلیم کرتے ہیں مگر وہابی کے یہاں کھاتا پیتا اس کے جنازہ میں خود بھی جاتا ہے اور دوسرں کو بھی لیجاتا ہے۔ کبھی جنازہ کی نماز بھی پڑھاتا ہے اور کوئی ان سے کہتا ہے تو وہ بولتا ہے چپ رہئے۔ کبھی بولتا ہے میں ایسا اس وجہ سے کر رہا ہوں کہ وہ میرے ساتھ ہوگا مگر اس کے گاؤں میں تقریبا ۱۵/سال پہلے بڑے بڑے مفتی تشریف لا چکے ہیں مگر پھر بھی وہ لوگ نہیں سدھرے تو زید کو ایسا سوچنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھے شرعی حکم ان پر کیسا ہے؟ **من شك فی کفرھم وعذابھم** کے تحت جواب مطلوب ہے۔

(۸) زید کچھ پڑھا لکھا ہے وہابی کیا ہے سب سمجھتا ہے مگر ساری زندگی وہابی کی پارٹی میں گزری مرا بھی ایسی حالت میں جب کہ سنیت اور وہابیت کا مسئلہ ۱۵/سال پہلے اجاگر ہو چکا ہے لوگ اسے سیدھا انسان سمجھتے تھے کیا اس کو وہابی کہا جائے گا یا سنی جب کہ کبھی بھی سنیوں کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ سنیوں کے خلاف میں بولتا تھا شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد منصور عالم کرتھا

۸۶ء/۹۲

الجواب: بعون الملک الوھاب: (۱) عن بریدۃ ان النبی صلی اللہ

علیه وسلم قال لرجل علیه خاتم من شبه مالی اجد منك ریح الاصنام فطرحه ثم جاء وعلیه خاتم من حدید فقال مالی اری علیك اهل النار فطرحه فقال یا رسو الله من ای شئی اتخذه قال من روق ولا تتمه مثقالا رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی.

ترمذی وابو داؤد ونسائی نے بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک شخص پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے حضور نے فرمایا کیا بات ہے کہ تم سے بت کی بو آتی ہے۔ انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی پھر لوہے کی انگوٹھی پہن کر آئے فرمایا کیا بات ہے کہ تم جہنمیوں کا زیور پہنے ہوئے ہو۔ اسے بھی پھینکا اور عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کس چیز کی انگوٹھی بناؤں فرمایا چاندی کی بناؤ اور ایک مثقال پورا نہ کرو۔ یعنی ساڑھے چار ماشہ سے کم کی ہو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۸)

اقول وباللہ التوفیق: جب حدیث شریف میں انگوٹھی کا یعنی لوہے پیتل کی انگوٹھی کا یہ حکم ہوا تو کیا چین کی گھڑی کا یہ حکم نہ ہوگا۔ یہاں ضرورت کا دعویٰ سمجھنا بہانہ ہے۔ ضرورت وہ کہ ہے اس کے کوئی چارہ نہ ہو اور اس کا جب بدل ہے تو لاچاری کیسی؟ جیب میں بھی رہ سکتا ہے کلائی پر لانے کی کیا ضرورت۔ فیتہ سے بھی کام چل سکتا ہے چین کی کیا حاجت؟

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۴۱ پر رقم طراز ہیں:

چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی مرد کو پہننا جائز ہے۔ اور دو انگوٹھیاں یا کئی نگ کی ایک انگوٹھی یا ساڑھے چار ماشہ خواہ زائد چاندی کی اور سونے کانسے، پیتل، لوہے، تانبے کی مطلقاً ناجائز ہیں۔ گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں منع کی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

اسی کتاب مستطاب کے ص ۱۰۷ پر فرماتے ہیں ایک عرض کے جواب میں عرض "خلال تانبے پیتل کا گلے میں لٹکانا کیسا ہے؟

ارشاد ناجائز ہے کیونکہ یہ تعلیق کے حکم میں ہے ویسے جائز ہے۔ اور سونے چاندی کا حرام ہے بلکہ عورتوں کو بھی ایسے ہی سونے چاندی کے ظروف میں کھانا ناجائز ہے۔ اور گھڑی کی چین بھی عام ازیں کہ چاندی کی ہو یا پیتل کی ہاں ڈورا باندھ سکتا ہے۔

اور بہار شریعت حصہ شانزدہم ص ۴۳ پر صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"سونے چاندی کی زنجیر گھڑی میں لگا کر اس کو گلے میں پہننا یا کاج میں لٹکانا یا کلائی پر باندھنا منع ہے۔ (ردالمختار) بلکہ دوسری دھات مثلاً تانبے پیتل لوہے وغیرہ کی چینوں کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ان دھاتوں کا بھی پہننا ناجائز ہے۔ (تیتی)

بالا بیان سے روز روشن کی طرح عیاں کہ سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کا بھی پہننا ناجائز ہے۔

اقول: جب یہ ناجائز ہے تو اس کا ارتکاب عادۃً ضرور فسق ہوا اور مرتکب اس کا ضرور فاسق گردانا جائے گا اور چونکہ چین کا پہننا بالاعلان ہوتا ہے اس لئے وہ شخص فاسق معلن قرار پائے گا۔ لائق امامت نہ رہے گا۔ اس کے پیچھے نماز ناقص ومکروہ تحریمی ہوگی اس کا اعادہ واجب ہوگا اس کے پیچھے پڑھنا گناہ ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ ۳/۱۵۱ پر ہے:

"فاسق کے پیچھے نماز ناقص ومکروہ اگر پڑھ لی تو پھیرنی چاہئے اگرچہ گذر چکی ہو ولہٰذا اسے ہرگز امام نہ کیا جائے جہاں امامت کرتا ہو بشرط قدرت معزول کر کے امام متقی صحیح العقیدہ، صحیح القراۃ مقرر کریں اگر قدرت نہ پائیں تو جمعہ کے لئے دوسری مسجد جائیں یونہی پنج گانہ میں خواہ اپنی دوسری جماعت یہیں کر لیں۔

صغیری میں ہے: "یکرہ تقدیم الفاسق کراهة تحریم."

مراقی الفلاح میں ہے:

"کرہ امامۃ الفاسق العالم لعدم اھتمامہ بالدین فتجب اھانتہ شرعاً فلا یعظم بتقدیمہ للامامۃ واذا تعذر منعہ ینتقل عنہ الی غیر مسجدہ للجمعۃ وغیرھا۔"

طحطاویہ میں ہے:

"تبع فیه الزیلعی ومفاده کون الکرھة فی الفاسق تحریمیة۔"

حاشیہ درمختار میں فرمایا: "فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً ومفادھذا کراھۃ التحریم۔" فی تقدیمہ اھ

ابوالسعو وکبیری میں ہے:

"لواستویا فی العلم والصلاح واحدھما اقرأ فقدموا الاخر اسائوا ولا یأثمون فالاسائۃ لترک السنۃ وعدم الاثم لعدم ترک الواجب لانھم قدموا رجلا صالحاً کذا فی الفتاوٰی الحجۃ وفیہ اشارۃ الی انھم لوقدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کرھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ باموردینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلاۃ وفعل ماینافیھا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ ولذا لم تجز الصلاۃ خلفہ اصلا عند مالک وروایۃ عن احمد الخ۔" واللہ تعالٰی اعلم۔

اسی میں ہے:

"وقد واختار المحقق الحلبی کرھۃ التحریم فی الفاسق وھو قضیۃ الدلیل لاسیما اذا کان معلنا۔"

اور ۱۷۹ پر ہے:

"فاسق کو امام کرنا منع ہے۔"

غُنیہ میں ہے: لوقدموا فاسقا یاثمون الخ۔

(۲) مکتب یا مدرسہ میں تعلیم کے ایام جو مقرر ہیں مثلاً جمعہ، ماہ رمضان عید بقر عید کی تعطیلیں جو عام طور پر رائج ہیں ان تعطیلات کی تنخواہ کا مدرس مستحق ہے ان کے علاوہ غیر حاضر رہا تو اس روز کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۶۹ پر فرماتے ہیں:

"اصل کلی شرعی یہ ہے کہ اجیر خاص پر حاضر رہنا اور اپنے نفس کو کار مقرر کے لئے سپرد کرنا لازم ہے جس دن غیر حاضر ہوگا اگرچہ مرض سے اگرچہ اور کسی ضرورت سے اس دن کے اجر کا مستحق نہیں مگر معمولی قلیل تعطیل جس قدر اس صیغہ میں معروف ومروج ہو عادۃً معاف رکھی گئی ہے۔"

پھر قدر تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:

صیغۂ خدمت وحفاظت واہتمام وانتظام مسجد میں ایک ہفتہ کی اجازت ہو سکتی ہے یا زیادہ چاہے تو اپنا عوضی یعنی نائب دے جائے بغیر اس کے نہ غیر حاضری کی اجازت نہ متہمان وقف کو روا کہ اسے ایسی طویل رخصت دیں اگر دی تو تنخواہ حلال نہیں نہ اسے لینا جائز نہ اس کو دینے کا اختیار اگر دیں گے تو یہ خود مال وقف میں خائن ہوں گے اور اس کے ساتھ یہ بھی معزول کئے جائیں گے۔

اسی میں ص ۳۷۰ پر ہے:

ان المدرس ونحوہ اذا اصابہ عذر من مرض او حج بحیث لا یمکن المباشرۃ لا یستحق المعلوم لانہ ادار الحکم فی المعلوم علی نفس المباشرۃ فان وجدت استحق المعلوم والا فلا ھذا ھو الفقہ اھ۔

اسی میں ص ۴۵۶ پر ہے:

اسے تنخواہ مقرر لینا اور مال مسجد سے دینا دونوں کے حرام کرنے کو کافی ہے۔

درمختار کتاب الوقف:

"فروع فصل نھر الفائق یجب علیہ خدمۃ وظیفۃ او ترکھا لمن

یعمل والاثم۔" جتنی مدتوں وہ کبھی کبھی آیا اور تنخواہ پوری دی گئی حساب کر کے اوقات غیر حاضری کی تنخواہ مجرا کرنا لازم ہے اس پر فرض ہے کہ واپس دے اور متولی پر فرض ہے کہ واپس لے انتہی۔"

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اجیر خاص مدرس یا امام پر لازم ہے کہ اپنے متعلق کام پر حاضر رہیں جس دن غیر حاضر ہوگا تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا مگر وہ تعطیل جو اس صیغہ میں معہود ومعروف ہے معاف ہے اس کے علاوہ غیر حاضری کی تنخواہ حلال نہیں لینا دینا دونوں حرام دینے والا خائن اور لائق معزولی اور لیا تو حرام اور اس کا واپس کرنا فرض اور اس کا واپس لینا فرض۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔**

عوام الناس کی تعطیلات کا اعتبار نہیں ہاں معہود ومقرر کا اعتبار ہے پھر کسی کو کوئی اختیار نہیں نذرانہ کیا ہے وہ رقم، یا جنس جو ارادۃ ہدیہ تحفہ پورے احترام اعزاز کے ساتھ اپنے شیخ یا سلطان اسلام کی بارگاہ عالی میں بطور نخود دی جائے آج کل میلاد و فاتحہ جلسہ جلوس میں علماء وطلبہ کو جو رقوم ملتے ہیں ان کو بھی نذرانہ کہا جاتا ہے و۔

فتاویٰ رضویہ ١٠/ص ١٢٥ پر ہے:

"ان (نذرانہ) میں تین صورتیں ہیں اگر وعظ کہنے اور حمد ونعت پڑھنے سے مقصود یہی ہے کہ لوگوں سے کچھ مال حاصل کریں تو بیشک اس آیت کریمہ کے تحت میں داخل ہیں اور حکم **لاتشتروبایتی ثمناً قلیلا۔**" کے مخالف وہ آمدنی ان کے حق میں خبیث ہے۔ خصوصاً جب کہ ایسے حاجت مند نہ ہوں جن کو سوال کی اجازت ہے کہ اب تو بے ضرورت سوال دوسرا حرام ہوگا اور وہ آمدنی خبیث تر وحرام مثل غصب ہے۔

عالمگیری میں ہے:

"**ماجمع السائل بالتکدی فھوخبیث**" "دوسرے یہ کہ وعظ وحمد ونعت سے انکا مقصود محض اللہ ہے اور مسلمان بطور نخود ان کی خدمت کریں تو یہ جائز ہے۔ اور وہ مال حلال۔ تیسرے یہ کہ وعظ سے مقصود تو اللہ ہی ہو۔ مگر ہے حاجتمند اور عادۃ

معلوم ہے کہ لوگ خدمت کریں گے اس خدمت کی طمع بھی ساتھ لگی ہوئی ہے تو گرچہ یہ صورت دوم کی مثل محمود نہیں مگر صورت اولی کی طرح مذموم بھی نہیں۔ جیسے درمختار میں فرمایا: **الوعظ لجمع المال من ضلالۃ الیھود والنصارٰی۔**"

مال جمع کرنے کے لئے وعظ کہنا یہود ونصارے کی گمراہیوں سے ہے یہ تیسری صورت بین بین ہے اور دوم سے بنسبت اول کے قریب تر ہے انتہی

اسی میں ج ١٠/ص ٢ پر قدس سرہ فرماتے ہیں:

"لوگوں سے اسکا کچھ مانگنا سخت شنیع ہے جو تندرست ہو اعضا صحیح رکھتا ہو نوکری خواہ مزدوری اگر چہ ڈلیا ڈھونے کے ذریعہ سے کما سکتا ہو اسے سوال کرنا حرام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"**لاتحل الصدقۃ لغنی ولالذی مرۃ۔**" غنی یا سکت والے تندرست کیلئے صدقہ حلال نہیں۔

علما فرماتے ہیں:

"**ماجمع السائل بالتکدی فھو الخبیث۔**" سائل جو کچھ مانگ کر جمع کرتا ہے وہ خبیث ہے اس پر ایک تو شناعت یہ ہوئی دوسری شناعت تر یہ ہے کہ دین کے نام سے دنیا کماتا ہے اور "**یشترون بآیتی ثمناً قلیلا۔**" کے قبیل میں داخل ہوتا ہے۔

اسی میں ج ١٠/ص ٣ پر ہے:

"اشباہ والنظائر وغیرہا میں ہے: "**ماحرم اخذہ حرم اعطائہ۔**"

درمختار میں ہے: "**الآخذ والمعطی آثمان**"

اسی درمختار میں تصریح ہے جو تندرست ہو اور کسب پر قادر ہو اسے دینا حرام ہے دینے والے اس سوال حرام پر اس کی اعانت کرتے ہیں اگر نہ دیں خواہی نخواہی عاجز ہو اور کسب کرے۔ اسی میں ج ١٠/ص ٣ پر ہے: "کوئی مسلمان بطور نخود قلیل یا کثیر بنظر اعانت اسے کچھ دے تو اس کے لینے میں اس کو کچھ حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ۔" تم میں جس سے ہو سکے کہ اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچائے تو پہنچائے۔ رواہ مسلم فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ۔" اللہ بندہ کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے رواہ الشیخان ملخصاً۔

اسی کے نصف اول ص ۴۳ میں ہے:

"کلمہ پڑھانے کے عوض جولیا وہ حرام ہے پھیرنا واجب عبارت یہ ہے" وعلی القول بہ فذلك ای الامام دون العوام۔" یہ ڈیڑھ روپیہ کہ زید نے لیا اس کے حق میں حرام ہے اس پر واجب کہ جن جن سے لیا انہیں پھیر دے اگر کھا چکا ہو تو اپنے پاس سے دے بغیر اس کے اس گناہ سے توبہ نہ ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ: "ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم فقط۔"

ان مذکورات سے ظاہر ہے کہ بے سوال بے طمع نذرانہ حلال سوال پر حرام اور سوال بھی حرام اور صاحب قوت و استطاعت ہو کر سوال بڑی ذلت کی بات ہے سوال درست نہیں مگر ایسے محتاج کہ اس کی محتاجی اسے زمین پر لٹادے ایک حدیث میں ہے کہ سوال ایک قسم کی خراش ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سوال کرنے والے کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا ایک حدیث میں ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ سوال کرنے میں کیا رسوائی اور ذلت ہے تو کوئی کسی کے پاس سوال کرنے نہ جاتا ایک روایت میں آیا ہے کہ غنی کا سوال آگ ہے اگر تھوڑا دیا گیا تو تھوڑا اور زیادہ تو زیادہ یہ بھی حدیث میں ہے کہ جو شخص بغیر حاجت سوال کرتا ہے گویا وہ انگارہ کھاتا ہے۔ یہ بھی حدیث میں ہے کہ جس کے پاس صبح شام کے کھانے کی مقدار ہو اسے سوال

جائز نہیں۔ ایک حدیث میں ہے بندہ سوال کا دروازہ نہ کھولے گا مگر اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دے گا اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ کوئی شخص رسی لے کر جائے اور اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا لا کر بیچے اور سوال کی ذلت سے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو بچائے یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے کہ لوگ اسے دیں یا نہیں دیں۔ یہ بھی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مال تمہارے پاس بے طمع اور بے مانگے آجائے اسے لو اور جو نہ آئے تو اس کے پیچھے اپنے نفس کو نہ ڈالو۔ یہ بھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا سوال درست نہیں مگر تین شخص کے لئے ایسی محتاجی والے کے لئے جو اسے زمین پر لٹادیتا وان کے لئے جو اس کو رسوا کر دے، یا خون والے (دیت) کے لئے جو اسے تکلیف پر پہنچائے۔ انتہی

بہار شریعت حصہ چہارم ص ۳۲ پر ہے:

آج کل اکثر رواج ہو گیا ہے کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں یہ ناجائز ہے دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہیں اجرت صرف یہی نہیں کہ پیشتر مقرر کرلیں کہ یہ لیں گے یہ دیں گے بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگر اس سے طے نہ ہوا یہ بھی ناجائز ہے کہ المعروف کالمشروط ہاں اگر کہہ دے کہ کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا پھر پڑھے اور حافظ کی خدمت کریں تو اس میں حرج نہیں کہ الصریح فوق الدلالۃ۔"

اور حصہ چہاردہم ص ۱۳۶ پر حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"ختم پڑھنے کے لئے اجارہ کرنا ناجائز ہے۔ مثلاً کوئی آیت کریمہ کا ختم کراتا کوئی ختم خواجگان پڑھواتا ہے کوئی کلمہ طیبہ کا ختم کراتا ہے یہ سب کام اجرت پر ناجائز ہیں۔ (ردالمحتار)

اسی میں اسی صفحہ پر ہے:

سوم وغیرہ کے موقع پر اجرت پر قرآن پڑھوانا ناجائز ہے۔ دینے والا لینے والا

دونوں گنہگار۔ انتہی

(۱) مسجد طعام وقیام کے لئے نہیں بنی ہے کہ اس میں طعام وقیام کیا جائے اگر وہ کھانے میں مسجد کے اندر پیاز کھاتا ہے، مسجد کی حرمت کے خلاف کرتا ہے۔ اس کی حرمت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مسجد میں کچا لہسن پیاز کھانا یا کھا کر جانا جائز نہیں جب تک بو باقی ہو کہ فرشتوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جو اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کہ ملائکہ کو اس چیز سے ایذا ہوتی ہے، جس سے آدمی کو ہوتی ہے اس حدیث کو بخاری، مسلم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جس میں بدبو ہو۔

اقول: جب ایسے شخص کو مسجد میں آنے کی ممانعت ہے تو وہ امامت نہیں کر سکتا ہے ایسے کا امام بننا ہرگز جائز نہیں۔ فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۷۵۹ پر ہے: ''مسجد میں بدبو کا لے جانا کسی طرح جائز نہیں۔

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"من اکل من هذه الشجرة المنتنة فلا یقربن مسجدنا فان الملائكة تتأذى مما یتأذى منه الانس رواه الشیخان عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه۔ امام عینی عمدة القاری شرح صحیح بخاری۔"

پھر علامہ سید شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: "ویلحق بما نص علیه فی الحدیث كل ماله رائحة كریهة ماكول اوغیره۔"

(۵) فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ۲۷۵ پر ہے:

''جھوٹا مسئلہ بیان کرنا سخت شدید کبیرہ ہے اگر قصداً ہے تو شریعت پر افترا ہے اور شریعت پر افترا اللہ عزوجل پر افترا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ "ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون۔" وہ جو اللہ پر جھوٹا افترا کرتے ہیں فلاح نہ پائیں گے اور اگر بے علمی سے ہے تو جاہل پر سخت حرام ہے کہ فتویٰ دے۔ حدیث

میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من افتی بغیر علم لعنته ملائكة السماء والارض۔" جو بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ ہاں اگر عالم سے اتفاقاً سہو واقع ہوا اور اس نے اپنی طرف سے بے احتیاطی نہ کی اور غلط جواب صادر ہوا تو مواخذہ نہیں مگر فرض ہے مطلع ہوتے ہی فوراً اپنی خطا ظاہر کرے اس پر اصرار کرے گا تو پہلی شق یعنی افترا میں آ جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ انتہی۔

قرآن شریف میں ہے: "ولا تقولوا لما تصف السنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی اللہ الكذب انّ الذین یفترون علی اللہ الكذب لایفلحون۔ (پ ۱۴، ع ۲۰، آیت ۱۱۶) اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہے۔ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔

زیر آیت کریمہ خزائن العرفان میں ہے:

آج کل بھی جو لوگ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام بتا دیتے ہیں جیسے میلاد کی شیرنی، فاتحہ گیارھویں عرس وغیرہ ایصال ثواب کی چیزیں جن کی حرمت شریعت میں وارد نہیں ہوئی انہیں اس آیت کے حکم سے ڈرنا چاہئے کہ ایسی چیزوں کی نسبت یہ کہہ دینا کہ یہ شرعاً حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ پر افترا کرنا ہے۔

(۲) اگر امام فی الواقع متقی پرہیزگار ہے سنی صحیح العقیدہ، صحیح القراۃ ہے ارتکاب کبیرہ اور اصرار صغیرہ سے بچتا ہے خلاف مروت عملوں سے اجتناب کرتا ہے پھر بھی اس پر اتہام دھرتا ہے اس کو شرع شریف کا مخالف گردانتا ہے تو مفتری ہے۔ اسے معافی مانگنا توبہ کرنا فرض ہے اور اگر وہ قابل امامت نہیں کہ فاسق معلن ہے یا بدعقیدہ، وہابی، یا دیوبندی، یا تبلیغی یا مودودی یا صلح کلی نجدی، پھلواروی ہے اتہام نہ ہوگا ہاں اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اگر فاسق معلن ہے اور اعادہ واجب اور باطل ہے اگر باطل

عقیدہ والا ہے۔ ان صورتوں میں سخت شدیدہ کبیرہ کا مرتکب اگر ان کے کفری عقائد جانتے ہوئے نماز کو جائز جانا تو کفر۔ **العیاذ باللہ تعالٰی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اللھم انی اعوذبك من ھمزات الشیٰطین۔**

(۷) حرام حرام حرام اس کے پیچھے نماز حرام ایسی نمازوں کا لوٹانا واجب اس پر توبہ لازم وواجب اللہ واحد قہار سے ڈرے۔ **وھو الھادی۔**

(۸) اگر واقعی کفریات وہابیہ پر آگاہ ہوکر ان کفریات کو حق کہا تو کافر اور اگر کفریات پر آگاہ نہ تھا پھر ان کی کلمہ گوئی سے قریب تھا تو گمراہ نہ سنی خوش عقیدہ نہ وہابی بدعقیدہ سنیوں کے خلاف بولتا تھا گول مول بات ہے اسے واضح طور پر لکھنا ضروری ہے پھر ہے اس کا جواب۔ **واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب للّٰھم ھدایۃ الحق والصواب وھو الھادی الی صرط السوی۔**

۱۵/ ۴/ ۱۴۲۳ھ

باب الجمعہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں نماز جمعہ کے بعد ظہر باجماعت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ جو امام بعد جمعہ ظہر جماعت سے نماز پڑھاتا ہے اور تاکید بھی کرتا ہے تو اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں اور جو مولوی بعد نماز جمعہ ظہر باجماعت کا قائل نہیں ہے اس پر ازروئے شریعت کیا حکم ہے؟ مدلل ومفصل جواب بحوالہ کتب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

آپ کا خادم (مولانا) محمد محمود عالم خاں نوری کماوی

خادم مدرسہ نورالعلوم رضا چوک، کما، ضلع سیتامڑھی (بہار)

۱۳/ ۲/ ۱۴۱۳ھ

۹۴/ ۸۶ے

الجواب: بعون الملك الوھاب: ہمارے علمائے کرام فقہائے عظام ومفتیان ذوی الاحترام یعنی ائمہ مجتہدین ومحققین احناف رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے نزدیک دیہات میں جمعہ صحیح نہیں اس میں اس دن بھی اور دنوں کی طرح ظہر ہی فرض اور جماعت پر قدرت ہو تو جماعت واجب تو جو امام دیہات میں ظہر باجماعت پڑھتا ہے وہ صحیح کرتا ہے اور اس کا یہ فعل شرعاً درست ہے اور جو مولوی دیہات میں ظہر باجماعت کا قائل نہیں وہ ان جاہلوں عامیوں کا پیرو ہے۔ جنہوں نے دیہاتوں کے اندر جمعہ کی بدعت نکالی ہے یہ اسی بدعت کو فروغ دینے کا خواہاں ہے خدا ورسول خدا جل وعلی وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خوشنودی کے بجائے انہیں عوام کالانعام کی رضا وخوشنودی مطلوب ہے۔ جو جوان کے حرکات سے ظہر یا جماعت کے تارک بنے یا بنتے ہیں یا بنیں گے۔ ان سب کے فرض وواجب کے ترک کا گناہ وبال ان کے سر اللہ تبارک وتعالٰی انہیں توفیق ہدایت دے۔ **وھو الموفق وھو الھادی الی سواء الطریق ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور۔**"

دیہات میں جمعہ نہ فرض نہ صحیح نہ جائز بلکہ گناہ نہ ایک گناہ بلکہ چند گناہ اس سے متعلق دلائل ساطعہ اور براہین قاطعہ ملاحظہ ہوں وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

ہدایہ اولین ج ا ص ۱۴۸ میں ہے:

"**لاتصح الجمعۃ الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقولہ علیہ السلام لا جمعۃ ولاتشریق ولافطر ولا اضحی الا فی مصر جامع۔**"

اور بدائع الصنائع ج ا ص ۲۵۹ میں ہے:

"**لایصح اداء الجمعۃ الا فی المصر وتوابعہ فلا تجب علی اھل القری التی لیست من توابع المصر ولا یصح اداء الجمعۃ فیھا۔**"

وفی مجمع الانہر ج۱،ص۱۶۵:

لاتجوز فی المفاوز ولا فی القری۔

وفی در المنتقی فی شرح الملتقی:

شرطت لادائہا وہی المصر اوفنائه۔

وفی ملتقی الابحر ص۲۸:

لاتصح الابستته شروط، المصر اوفنائه الخ۔

وفی القدوری ص۳۶:

لاتصح الجمعة الا فی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولا تجوز فی القری۔

وفی نور الایضاح مع مراقی الفلاح۱۱۶:

یشترط لصحتها ای صلوٰة الجمعة ستة اشیاء الاول المصر او فنائه الخ۔

وفی المبسوط لشمس الدین السرخسی ج۲،ص۲۳:

اما المصر فهو شرط عندنا ولنا قوله علیه الصلاة والسلام لا جمعة لا تشریق الا فی مصر جامع وقال علی رضی الله تعالیٰ عنه لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع ولان الصحابة حین فتحوا الامصار و القری ما اشتغلوا بنصب المنابر وبناء الجوامع الا فی الامصار و المدن وذلك اتفاق منهم علی ان المصر من شرائط الجمعة وجواثی مصر بالبحرین۔

وفی الاختیار لتعلیل المختار ج۱،ص۸۱:

ولا تجب الا علی الاحرار الاصحاء المقیمین بالامصار ولا تقام الا فی المصر او مصلاه۔

وفی الدر المختار ج۱،ص۵۸۹:

ویشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر الخ۔

وتحته فی رد المحتار:

وحر صحیح بالبلوغ مذکر، مقیم وذوعقل شرط وجوبها، و مصر وسلطان ووقت وخطبة واذن کذا جمع شرط ادائها۔

وفی التاتارخانیة ج۲،ص۴۸:

للجمعة شرائط بعضها فی نفس المصلی وبعضها فی غیره فالتی فی غیره فستة احدها المصر وهذا مذهبنا۔

وفی کنز الدقائق،ص۴۲:

شرط ادائها المصر الخ۔

وفی شرح الوقایه ج۱ص۱۹۸:

شرط لوجوبها لا لادائها الاقامة بمصر الخ۔

وفی العالمگیریة ج۱،ص۴۳:

ولادائها الشرائط فی غیر المصلی منها المصر هکذا فی الکافی۔

وفی المیزان الکبریٰ ج۱،ص۱۴۰:

قول ابی حنیفة ان الجمعة لاتصح الا فی مصر جامع لهم سلطان۔

وفی کتاب رحمة الامة فی اختلاف الائمة ج۱،ص۲۴۸:

ویشترط ایضاً فلو کان مقیماً بقریة فلا تجب علیه الجمعة لقول علی لا جمعة ولا تشریق وصلاة فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة۔

ودر فتاویٰ برہنہ ج۱ص۱۳۰:

"مذکور در جمعه شرط وجوب اوا اقامت مصر۔"

و درج ا ص ۱۴۱۳:

وشرط ادا و جمعه شہر ست یا فنائے او" مالابد منہ میں ہے: "ورو یہات نز د امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ جائز نیست۔

بالا تصریحات وتشریحات سے روز روشن کی طرح روشن ہو گیا کہ جمعہ کے لیے مصر یعنی شہر کا ہونا شرط لازم ہے اور جو جگہ مصر نہیں شہر نہیں وہاں جمعہ نہ درست نہ صحیح نہ جائز اب اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت قدس سرہ کی تحقیقات وتوضیحات سے آنکھوں کو منور کیجئے۔ ضد اور ہٹ سے دور بھاگئے۔

فتاوی رضویہ ج ۳، ۷۲ ۶ میں فرماتے ہیں:

"دیہات میں جمعہ نا جائز ہے اگر پڑھیں گے گنہگار ہوں گے اور ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔"

اور ج ۳، ص ۶۸۳ میں فرماتے ہیں:

"دیہات میں جمعہ پڑھنا خود نا جائز ہے۔

فی الدر المختار: تکرہ تحریما لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحۃ۔"

پھر اس کے سبب جماعت ظہر ترک ہونا دوسرا گناہ اور ہر گناہ قابل مواخذہ اور اگر ظہر نہ پڑھی جب تو خود نماز فرض معاذ اللہ عمداً ترک کی فرض ظہر کا ذمہ پر رہ جانا کیا کوئی ہلکی بات ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں:

غرض دیہات میں جمعہ کی ہر گز اجازت نہیں ہوسکتی فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ فی الشامی عن القھستانی عن الجواھر لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظھر۔"

اور اسی میں ج ۳، ص ۷۰۱ پر ہے:

"فی الواقع دیہات میں جمعہ وعیدین باتفاق ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ممنوع ونا جائز ہے کہ جو نماز شرعاً صحیح نہیں اس سے اشتغال روا نہیں۔

اور ص ۷۰۱ میں ہے: مذہب حنفی میں فرضیت جمعہ وصحت جمعہ وجواز جمعہ سب کی لیے مصر شرط ہے دیہات میں نہ جمعہ فرض نہ وہاں اس کی ادا جائز نہ صحیح اگر پڑھیں گے ایک نفل نماز ہوگی کہ برخلاف شرع جماعت سے پڑھی ظہر کا فرض سر سے نہ اترے گا، پڑھنے والے متعدد گناہوں کے مرتکب ہوں گے۔ للاشتغال بما لا یصح کما فی الدر المختار وللتنفل بجماعۃ بالتداعی ولترک جماعۃ الظھر وان ترکوا الظھر فاشنع واخنع۔"

اور ص ۷۱۵ پر ہے: "فرضیت وصحت وجواز جمعہ سب کے لیے اسلامی شہر ہونا شرط ہے جو جگہ بستی نہیں جیسے بن سمندر پہاڑ یا بستی ہے مگر شہر نہیں جیسے دیہات یا شہر ہے مگر اسلامی نہیں جیسے روس وفرانس کے بلاد ان میں نہ جمعہ فرض ہے نہ صحیح نہ جائز بلکہ ممنوع وباطل وگناہ ہے اس کے پڑھنے سے فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔"

اور ص ۳۹ ۷ پر ہے: "جمعہ کے لیے ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتفاق واجماع سے شہر شرط ہے۔

اور ص ۱۴۲ پر ہے: پھر جہاں ظہر فرض ہے اور جماعت واجب اگر جمعہ کے سبب ظہر اصلاً نہ پڑھیں تارک فرض ہوں اور تنہا تنہا مثلاً بذریعہ رکعات احتیاطی پڑھیں تو ترک جماعت کے سبب تارک واجب کہ اول ہر بار اور ثانی بعد تکرار کبیرہ ہے۔"

اور ص ۷۰۴ میں ہے: "جمعہ میں اس کے سبب جو ظہر نہ پڑھیں ان پر تو فرض ہی رہ گیا ترک فرض اگر چہ ایک ہی بار ہو خود کبیرہ ہے اور جو بزعم خود احتیاطی رکعت پڑھیں وہ بھی تارک جماعت ضرور ہوئے اور جماعت مذہب معتمد میں واجب ہے جس کا ایک بار ترک بھی گناہ اور متعدد بار ہو کر وہ بھی کبیرہ کما نصوا علیہ والامر اوضح من ان یوضح۔

پھر قدس سرہ فرماتے ہیں: "وہ احتیاطی رکعات والے حقیقۃً مذہب حنفی میں آج ہی کی ظہر پڑھ رہے ہیں ہاں کہ مسجد میں جمع ہیں جماعت پر قادر ہیں تنہا پڑھتے ہیں یہ دوسری شناعت ہے کہ مجتمع ہو کر ابطال جماعت ہے جسے شارع نے خوف جیسی حالت ضرورت شدیدہ میں بھی روا نہ رکھا بلکہ ابطال در کنار موجودین میں بلا وجہ شرعی تفریق جماعت کو ناجائز رکھ کر ایک ہی جماعت کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ **کما نطق به القرآن العظیم۔ وبالله الهدایة الی صراط مستقیم والله تعالیٰ اعلم۔**

اور فتاویٰ افریقہ ص ۳۱ پر ہے: "جمعہ وعیدین کی صحت وجواز کے لیے ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب میں شہر شرط ہے۔

اور احکام شریعت حصہ دوم مکتبہ نبہانی ج ۲ ص ۲۰ میں ہے:

"یہاں کے شہروں میں جمعہ صحیح ہے اس کے بعد نماز ظہر کی حاجت نہیں۔ یہاں جاہلوں نے جو دیہات میں جمعہ نکال لیا ہے وہاں اگر کوئی جمعہ پڑھے تو اس پر ظہر پڑھنا ضرور لازم ہے کہ دیہات میں جمعہ نہیں ہوتا۔ **والله تعالیٰ اعلم انتهی کلام الامام احمد رضا قدس سرہ۔**

اور فتاویٰ امجدیہ ج ۱ ص ۲۹۱ پر ہے:

"جمعہ کی صحت کے لیے مصر یا فنائے مصر شرط ہے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں یہی مذہب امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ہے وہ فرماتے ہیں: "**لا جمعة ولا تشریق الخ**" اور یہی مذہب حذیفہ وعطا وحسن وابراہیم نخعی ومجاہد ابن سیرین وسفیان ثوری وسحنون رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب نیز صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب ملک فتح کئے تو شہروں ہی میں جمعہ قائم فرمایا کبھی کسی گاؤں میں جمعہ قائم نہیں فرمایا اگر گاؤں میں جمعہ قائم کیا ہوتا تو منقول ہوتا۔

اور بہار شریعت حصہ چہارم ص ۹۴ و نظام شریعت ص ۲۲۴ اور قانون شریعت حصہ اول ص ۱۰۸ میں ہے:

جمعہ یا شہر میں پڑھا جائے یا قصبہ میں یا ان کی فنا میں اور گاؤں میں جائز نہیں انتہی۔ ان روشن بیان سے شمس وامس کی طرح خوب واضح وعیاں ہو گیا کہ دیہات میں جمعہ ہرگز صحیح نہیں اگر پڑھے گا فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہو گا جب تک کہ پھر ظہر نہ پڑھے اور لوگ مجتمع ہے تو یا جماعت واجب ورنہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کہ فرض کا ایک بار بھی ترک گناہ کبیرہ اور واجب کا ترک بتکرار واصرار گناہ کبیرہ تو جو دیہات میں جمعہ کے دن ظہر کا قائل نہیں یا ظہر کا قائل ہے مگر جماعت کا قائل نہیں وہ مذہب امام بلکہ مذہب جملہ ائمہ احناف سے سخت جاہل اور اس کے انجام سے غافل اس کے سر فرض یا واجب یا دونوں کے ترک کا بلکہ جتنے لوگ اس کی وجہ سے اس کے تارک بنے سب کے ترک کا گناہ ووبال۔ **اعاذنا الله منها۔**

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

وہ عالم کہلانے والے کہ مذہب امام بلکہ مذہب جملہ ائمہ حنفیہ کو پس پشت ڈالتے تصحیحات جماہیر ائمہ ترجیح وفتویٰ کو پیٹھ دیتے ہیں اور ایک روایت نادرہ مرجوحہ مرجوعٌ عنہا غیر صحیح کی بنا پر ان کی جہاں کورہ میں جمعہ قائم کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں یہ ضرور مخالفت مذہب کے مرتکب اور ان جہلاء کے گناہ کے ذمہ دار ہیں۔ **نسأل الله العفو والعافیة انتهی۔**

مبسوط سرخسی ج ۱ ص ۳۶ میں ہے:

"**ولو جوزنا للمعذور اقامة الظهر بالجماعة فی المصر ربما یقتدی بهم غیر المعذور وفیه تقلیل الناس فی الجامع وهذا بخلاف القراء فانه لیس علی من یسکنها شهود الجمعة فکان هذا الیوم فی حقهم کسائر الایام۔**"

یعنی معذورین کو شہر میں ظہر با جماعت پڑھنے کی اس لیے اجازت نہیں دی جاتی کہ اس میں غیر معذور بھی شریک ہو کر جامع میں قلت جماعت کے باعث ہوں گی

برخلاف دیہات کہ اس کے سکان پر جمعہ میں حاضر ہونا ضروری نہیں کہ ان کے حق میں جمعہ او روزوں کی ہی طرح ہے یعنی دیہاتی ظہر باجماعت پڑھیں۔

(۳۶) اور کتاب الفقہ علی المذاہب الاربع ج ۱ ص ۳۰۰ میں ہے:

"امّا اهل البوادی الذین لاتصح منهم الجمعة فیجوز لهم صلاة ظهر الجمعة بجماعة بغیر کراهة۔" یعنی صحرائیوں کے لیے جمعہ صحیح نہیں اس لیے انہیں ظہر باجماعت بلا کراہت جائز ہے۔

وعالمگیری ج ۱ ص ۱۵۷ میں ہے:

"من لاتجب علیهم الجمعة من اهل القری والبوادی لهم ان یصلوا الظهر بجماعة باذان واقامة۔"

دیہاتیوں اور جنگلیوں پر جمعہ نہیں انہیں جماعت اور اذان واقامت کے ساتھ جمعہ کو بھی ظہر پڑھنی ہے۔

اور فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۵۹۰ میں ہے کہ:

اگر لوگ دیہات میں نماز جمعہ پڑھ بھی لیں جب بھی ان پر ظہر کی ادا لازم ہے۔ عبارت یہ ہے: الاتری ان فی الجواهر لو لصلوا فی القری لزمهم اداء الظهر۔ اھ

اقول: غالباً اسی لیے علما فرماتے ہیں کہ جس دیہات میں جمعہ قائم ہے پہلے سے لوگ پڑھتے آرہے ہیں انہیں نہ منع کیا جائے مگر ظہر بھی پڑھیں اور باجماعت کہ وہ فرض اور یہ واجب ہے ان تصریحات فقہاء سے معلوم ہوا کہ جنگل اور دیہات میں جمعہ کے دن بھی نماز ظہر اذان واقامت اور جماعت کے ساتھ پڑھی جائے اور اگر ایسی جگہ لوگ جمعہ پڑھیں جب بھی ظہر ترک نہ کریں کہ جمعہ پڑھنے سے یہاں ظہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

اب سنئے! کہ مصر کی تعریف اور صحیح تعریف فقہاء کے نزدیک کیا ہے؟ اور جہاں

یہ تعریف صادق آئے وہاں جمعہ قائم کیا جائے اور پڑھا جائے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۷۳۹ میں فرماتے ہیں:

"جمعہ کے لیے ہمارے ائمہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق واجماع سے شہر شرط ہے شہر کی صحیح تعریف مذہب حنفی میں یہ ہے جو خود امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمائی وہ آبادی جس میں متعدد محلے اور دوامی بازار ہوں اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو اس کے متعلق دیہات ہوں اور اس میں کوئی حاکم بااختیار ایسا ہو کہ اپنی شوکت اور اپنے یا دوسرے کے علم کے ذریعہ سے مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔

امام علاء الدین سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء اور امام ملک العلماء ابوبکر مسعود نے بدائع میں اسی کی تصحیح فرمائی غنیہ شرح منیہ میں:

"صرح فی تحفة الفقهاء عن ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه انه بلدة کبیرة فیها سکك واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غیره یرجع الناس الیه فیما یقع من الحوادث وهذا هو الاصح۔"

کتب جلیلہ معتمدہ میں ظاہر الروایہ یعنی مذہب مہذب حنفی سے بالفاظ مختلفہ جتنی نقول ہیں سب کا مآل یہی ہے۔

مثلاً ہدایہ ومتن کنز میں فرمایا:

"هو کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود الی ان قال فالحاصل ان اصح الحدود ما ذکره فی التحفة لصدقه علی مکة والمدینة وانهما هما الاصل فی اعتبار المصریة۔"

اور ۷۰۱ پر فرماتے ہیں:

اور ظاہر ہے کہ معنی متعارف میں شہر ومصر ومدینہ اسی آبادی کو کہتے ہیں جس میں متعدد کوچے محلے متعدد دوائمی بازار ہوتے ہیں وہ پرگنہ ہوتا ہے اس کے متعلق دیہات

گنے جاتے ہیں عادۃً اس میں کوئی حاکم مقرر ہوتا ہے کہ فصل مقدمات کرے اپنی شوکت کے سبب مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے اور جو بستیاں ایسی نہیں وہ قریہ و دِہ و موضع و گاؤں کہلاتی ہیں شرعاً بھی یہی معنی متعارفہ مراد و مدار احکام جمعہ وغیرہا ہیں۔

اور ص ۱۵۷ میں فرماتے ہیں:

شہر ہونے کے لیے یہ چاہیے کہ اس میں متعدد کوچے متعدد دوامی بازار ہوں وہ پرگنہ ہوں کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں کہ موضع فلاں و فلاں و فلاں پرگنہ شہر فلاں اور اس میں کوئی حاکم ہو کہ فیصلۂ مقدمات کا اختیار من جانب سلطنت رکھتا ہو دونوں باتیں عادۃً متلازم ہیں۔ سلطنت جسے پرگنہ قرار دیتی ہے ضرور اس میں کوئی حاکم لااقل منصف یا تحصیل دار رکھتی ہے اور جہاں سلطنت کوئی کچہری قائم کرتی ہے اسے ضرور ضلع یا کم از کم پرگنہ بناتی ہے۔ اور عادۃً پہلی دو باتیں بھی ان دو کو لازم ہیں جو پرگنہ ہوتا ہے جہاں کچہری مقرر ہوتی ہے وہاں ضرور متعدد بازار متعدد کوچے ہوتے ہیں۔

اور ص ۱۷۲ پر فرماتے ہیں:

''اور بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اپنے فتاویٰ میں دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ تمام ہندوستان سرحد کابل سے منتہائے بنگالہ تک سب دار الاسلام ہے تو یہاں جتنے شہر و قصبات ہیں جن کو شہر و قصبہ کہتے ہیں اور وہ ضرور ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں متعدد محلے متعدد دوامی بازار ہیں وہ پرگنہ ہیں ان کے متعلق دیہات ہیں ان میں ضرور کوئی حاکم فصل مقدمات کے لیے مقرر ہوتا ہے جسے ڈگری ڈسمس کا اختیار ہے نہ فقط تھانہ دار کہ وہ کوئی حاکم نہیں صرف حفاظت او تحقیقات یا چالان کا مختار ہے۔ وہ ضرور سب اسلامی شہر ہیں اور ان میں جمعہ فرض ہے اور انہیں میں جمعہ صحیح ہے ان کے علاوہ جتنی آبادیاں ہیں۔ گاؤں ہیں اگرچہ مکانات پختہ اور مسلمان و مساجد بکثرت ہوں ان میں نہ جمعہ فرض نہ جائز نہ صحیح یہ حق تحقیق و تحقیق حق ہے جس سے سرمو حق متجاوز نہیں۔

اور ص ۱۷۶ میں ہے:

''اس تحقیق سے تمام صور مستفسرہ کا حکم واضح ہو گیا جو آبادیاں پرگنہ ہیں اور ان میں کوئی کچہری ہے۔ (نہ فقط تھانہ یا ڈاکخانہ یا شفاء خانہ کہ فصل مقدمات کے لیے نہیں ہوتے) اور وہاں سلطنت اسلام ہے یا پہلے تھی اور جب سے غیر مسلم کا قبضہ ہوا بعض شعائر اسلام بلا مزاحمت اب تک جاری ہیں۔ جیسے تمام بلاد ہندوستان و بنگالہ ایسے ہی ہیں وہ سب اسلامی شہر ہیں ان میں جمعہ فرض ہے اور جو آبادی پرگنہ نہیں اس میں کوئی کچہری نہیں یا کچہریاں ہیں پرگنہ ہے مگر اس میں اسلامی سلطنت کبھی نہ ہوئی یا تھی مگر اس کے بعد کفار نے شعائر اسلام یکسر بند کر دیئے گو بعد کو پھر اجازت بھی دے دی ہو وہ سب یا گاؤں ہیں غیر اسلامی شہر ان میں جمعہ و عیدین جائز نہیں پڑھنے سے گناہ ہوگا اور جمعہ سے ظہر کا فرض ساقط نہ ہوگا۔ انتہی کلام امام اہل السنۃ۔

اور حضرت امام شمس الدین سرخسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبسوط ج ۲، ص ۲۳ پر فرماتے ہیں:

"وظاهر المذهب في بيان حد المصر الجامع ان يكون فيه سلطان اوقاضي لاقامة الحدود وتنفيذ الاحكام وقد قال بعض مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ ان يتمكن كل صانع ان يعيش بصنعته فيه ولا يحتاج فيه الى التحول الى صنعة اخرى وقال ابن شجاع رضي الله تعالىٰ عنه احسن ما قيل فيه ان اهلها بحيث لو اجتمعوا في اكبر مساجدهم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا الى بناء مسجد الجمعة وهذا مصر جامع تقام فيه الجمعة۔"

اور حضرت امام علامہ عبد الرحمن شیخ زادہ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ج ۱، ص ۱۶۶ میں فرماتے ہیں:

"والمصر كل موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود (هذا عند ابي يوسف في رواية وهو ظاهر المذهب على ما نص عليه

السرخسی وھو اختیار الکرخی والقدوری وفی الغایة وانما قال یقیم الحدود بعد قوله ینفذ الاحکام لان تنفیذ الاحکام لا تستلزم اقامة الحدود فان المرأة اذا کانت قاضیة تنفذ الاحکام ولیس لها ان تقیم الحدود و کذلك المحکم انتهی. اقول ظاهره ان البلدة اذا کان قاضیها او امیرها امرأة لاتکون مصراً فلا تصح الجمعة فیها ولکن فی البحر خلافه. فی البدائع السلطان اذا کان امرأة فامرت رجلا صالحا للامامة حتی یصلی بهم الجمعة جاز لان المرأة تصلح سلطانة او قاضیة فی الجمعة فتصح انابتها تدبر (وقیل) قائله صاحب الوقایة وصدر الشریعة وغیرهما "مالو اجتمع اهله فی اکبر مساجده لایسعهم هذا روایة اخری عن ابی یوسف وھو اختیار الثلجی وانما اورد بصیغة التمریض لانهم قالوا ان هذا الحد غیر صحیح عند المحققین مع ان الاول یکون ملائما بشرط وجود السلطان ونائبه ومناسباً لما قاله الامام رحمه الله المصر کل بلدة فیها سکك واسواق ولها رساتیق ووال یدفع المظالم وعالم یرجع الیه فی الحوادث وفی الغایة ھو الصحیح و کذا روی عن ابی یوسف فی غیرها تین الروایتین انه کل موضع یکون فیه کل محترف ویوجد فیه جمیع ما یحتاج الناس الیه فی معاشهم وفیه فقیه یفتی وقاض یقیم الحدود وعن محمد ان کل موضع مصره الامام فهو مصر حتی لو بعث الی قریة نائباً لاقامة الحدود والقصاص تصیر مصراً فاذا عزله یلتحق بالقری."

امام علاء الدین دراَلمنتقی فی شرح الملتقی ج ۱ ص ۱۶۶ میں فرماتے ہیں:

والمصر کل موضع له امیر وقاض مقیم له فلا اعتبار وقاضی تاتی احیانا یسمی قاضی الناحیة. ینفذ الاحکام یقیم الحدود عند ابی

یوسف وھو ظاهر المذهب کما فی الهدایة وغیرها والمراد القدرة علی اقامة الحدود و کون الموضع ذا سکك ورساتیق کما صرح به فی التحفة الا ان صاحب الهدایة ترکه بناءً علی ان الغالب ان الامیر و القاضی شانه القدرة علی تنفید الاحکام واقامة الحدود ولا یکون الا فی بلد له رساتیق و اسواق وسکك کذا قاله المصنف ولم یذکر المفتی اکتفاء بذلك القاضی ان القضاء فی الصدر الاول کان وظیفه المجتهدین حتی لو لم یکن الوالی لو القاضی مفتیاً اشترط کما فی الخلاصة وفی تصحیح القدروی انه یکتفی بالقاضی عن الامر." وقیل مالو اجتمع اهله فی اکبر مساجده لایسعهم." وعلیه فتوی اکثر الفقهاء کما فی المجتبی لظهور التوانی فی الاحکام."

اور ملک العلماء امام علاء الدین ابی بکر ابن مسعود کاسانی رحمۃ الباری بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۵۹ میں فرماتے ہیں:

"اما المصر الجامع فقد اختلفت الاقاویل فی تحدیده (۱) ذکر الکرخی ان المصر الجامع ما اقیمت فیه الحدود ونفذت فیه الاحکام (۲) وعن ابی یوسف روایات ذکر فی الاملاء کل مصر فیه منبر وقاضی ینفذ الاحکام ویقیم الحدود فهو مصر جامع تجب علی اهله الجمعة (۳) وفی روایة قال اذا اجتمع فی قریة من لایسعهم مسجد واحد بنی لهم الامام جامعاً ونصب لهم من یصلی بهم الجمعة (۴) وفی روایة لو کان فی القریة عشرة آلاف او اکثر امرتهم باقامة الجمعة فیها. (۵) و قال بعض اصحابنا المصر الجامع ما یتعیش فیه کل محترف بحرفته من سنة الی سنة من غیر ان یحتاج الی الانتقال الی حرفة اخری. (۶) وعن ابی عبدالله البلخی انه قال احسن ما قیل فیه اذا کانوا بحال لو اجتمعوا

في اكبر مساجدهم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا الى بناء الجمعة فهذا مصر تقام فيه الجمعة (۷) وقال سفيان الثوري المصر الجامع ما يعده الناس مصراً عند ذكر الامصار المطلقة۔(٨) وسئل ابو القاسم الصفار عن حد المصر الذي تجوز فيه الجمعة فقال ان تكون لهم منعة لو جاء هم عدو قدروا على دفعه فحينئذ جاز ان يمصر هو تمصره ان نيصب فيه حاكم عدل يجري فيه حكما من احكام وهو ان يتقدم اليه خصمان فيحكم بينهما۔(٩) وروى عن ابي حنيفة انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه اوعلم غيره و الناس يرجعون اليه في الحوادث وهو الاصح۔

اور شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن مرغینانی صاحب ہدایہ، ہدایہ ج ۱،ص ۱۶۸ پر فرماتے ہیں:

"والمصر الجامع كل موضع له امير وقاضي ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وهذا عن ابي يوسف وعنه انهم اذا اجتمعوا في اكبر مساجدهم لم يسعهم والاول اختيار الكرخي وهو الظاهر و الثاني اختيار الثلجي۔

اور صاحب کفایہ شارح ہدایہ علامہ جلال الدین خوارزمی کفایہ ص ۲۳ پر فرماتے ہیں:

"وعن ابي يوسف رحمه الله رواية اخرى غيرها تين الروايتين وهي كل موضع يسكن فيه عشرة آلاف نفر فكان عنه ثلاث روايات وقال سفيان الثوري رحمه الله المصر الجامع ما يعده الناس مصراً عند ذكر الامصار المطلق كبخارى وسمرقند وقال بعض مشائخنا رحمهم

الله ان يتمكن كل صانع ان يعيش بصنعته ولا يحتاج فيه الى التحول الى صنعة اخرى۔"

اور شارح ہدایہ صاحب عنایہ حافظ اکمل الدین بابرتی ج ۲،ص ۲۴ پر فرماتے ہیں:

"وعن ابي يوسف رواية اخرى غيرهاتين الروايتين وهو كل موضع يسكنه عشرة آلاف نفر فكان عنه ثلاث روايات۔"

اور صاحب فتح القدیر محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن ہمام اپنی کتاب فتح القدیر ج ۲،ص ۲۴ میں فرماتے ہیں:

"قوله هو الظاهر۔" اي من المذهب وقال ابوحنيفة المصر كل بلدة فيها سكك واصواق وبها رساتيق ووال ينصف المظلوم من الظالم وعالم يرجع اليه في الحوادث وهذا اخص مما اختاره المصنف قيل وهو الاصح۔

اور صاحب شرح الوقایہ صدرالشریعہ عبیداللہ ابن مسعود شرح وقایہ ج ۱،ص ۱۹۸ میں فرماتے ہیں:

"واختلفوا في تفسير المصر فعند البعض هو موضع له امير و قاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وعند البعض هو موضع اذا اجتمع اهله في اكبر مساجده لم يسعهم فاختار المصنف هذا القول فقال و ما لا يسع اكبر مساجده اهله مصر وانما اختار هذا القول دون التفسير الاول لظهور التواني في احكام الشرع لاسيما في اقامة الحدود في الامصار۔"

صاحب ملتقی الابحر امام محمد ابراہیم بن ابراہیم حلبی اپنی کتاب ملتقی الابحر کے ص ۲۹ پر فرماتے ہیں:

"المصر كل موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وقيل مالو اجتمع اهله فی اكبر مساجدهم لم يسعهم۔"

اور درمختار ج ۱ ص ۵۹۰ پر صاحب درمختار امام شیخ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

"المصر وهو ما لا يسع اكبر مساجده اهله المكلفين بها وعليه فتوى اكثر الفقهاء مجتبى لظهور التوانی فی الاحكام وظاهر المذهب انه كل موضع له امير وقاض يقدر على اقامة الحدود كما حررناه فيما علقناه على الملتقى۔"

اس کے تحت علامہ شامی ردالمحتار ج ۱ ص ۵۹۰ پر فرماتے ہیں:

"قوله لا يسع الخ" هذا يصدق على كثير من القرى "قوله المكلفين بها" احترز به عن اصحاب الاعذار مثلاً النساء و الصبيان و المسافرين ۔ عن القهستانی "قوله وعليه فتوى اكثر الفقهاء الخ" وقال ابو شجاع هذا احسن ما قيل فيه وفی الولوالجيه وهو صحيح بحر وعليه مشى فی الوقايه ومتن المختار وشرحه وقدمه فی متن الدرر على القول الآخر وظاهره ترجيحه وايده صدر الشريعة بقوله لظهور التوانی فی احكام الشرع سيما فی اقامة الحدود فی الامصار "قوله وظاهر المذهب الخ" قال فی شرح المنية والحد الصحيح ما اختاره صاحب الهداية انه الذی له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وتزييف صدر الشريعة له عن اعتذاره عن صاحب الوقاية حيث اختار الحد المتقدم لظهور التوانی فی الاحكام مزيف بان المراد القدرة على اقامتها على ما صرح به فی التحفة عن ابی حنيفة انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع الناس اليه فيما

يقع من الحوادث وهذا هو الاصح اه الا ان صاحب الهداية ترك ذكر السكك والرساتيق لان الغالب ان الامير والقاضی الذی شانه القدرة على تنفيذ الاحكام واقامة الحدود لا يكون الا فی بلد كذلك۔

وفی الفتاوىٰ العالمگيرية على ج ۱ ص ۸۳:

والمصر فی ظاهر الرواية الموضع الذی يكون فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الاحكام وبلغت ابنيته منى هكذا فی الظهيرية وفتاوىٰ قاضی خان وفی الخلاصة وعليه الاعتماد كذا فی التاتارخانية ومعنى اقامة الحدود القدرة عليها هكذا فی الغياثية۔

مصر کی تعریفیں جو مذکور ہوئیں گرچہ ان تعریفات میں فقہائے کرام کے عبارات مختلف ہیں مگر امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ظاہر الروایہ سے بالفاظ مختلفہ جتنی تعریفیں منقول ہیں سب کا مرجع اور مآل و مقصود ایک ہیں کہ مصر اسی آبادی کو کہیں گے جس میں متعدد محلے اور متعدد دائمی بازار ہوں اور وہ جگہ ضلع یا کم از کم پرگنہ ہو اور اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی ایسا حاکم من جانب حکومت مقرر ہو جو اپنے اختیار اور اپنی شوکت سے فیصلہ مقدمات کر سکے اور مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے خود قاضی اور مفتی ہو یا کوئی دوسرے اس عہدے پر وہاں فائز ہوتا کہ حدود وقصاص قائم اور احکام نافذ کر سکے۔

مذکورہ بالا تصریحات جلیلہ سے ان کا بطلان بھی اظہر من الشمس ہو گیا جو ہر چھوٹے بڑے گاؤں بلکہ دو گھر یہاں ڈیڑھ گھر وہاں آبادیاں جہاں پنچائت قائم ہو گئی یا تھانہ یا شفاخانہ جہاں ہے اس کو مصر اور عظیم الشان شہر ثابت کرنے میں سعی لاحاصل کر رہے ہیں اور اسی فکر میں شب و روز سرگرداں اور پریشان رہتے ہیں۔ جہاں کو فریب دیتے ہیں کہ وہاں تھانہ یہاں کھیا ہے یہ بھی انصاف کرتا ہے اس لیے وہ جگہ مصر ہے وہاں جمعہ فرض ہے۔ ولا حول ولا قوة الا بالله وهو الهادی. حالاں

کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا روشن بیان موجود کا اختیار رہے نہ فقط تھانہ دار کہ وہ کوئی حاکم نہیں الخ۔

دوسرے مقام میں فرماتے ہیں: ”نہ فقط تھانہ یا ڈاکخانہ یا شفاخانہ کہ فصل مقدمات کے لیے نہیں ہوتے۔الخ۔“

اقول: مکھیا کا حال تھانہ دار سے بھی گھٹیا ہے۔ **کما ھو الظاھر** مصر کی تعریف میں امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی تعریف اصح ہے اور صحیح و مرجح ہے امام ملک العلماء ابوبکر مسعود نے بدائع میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشادات کو نقل کرنے کے بعد فرمایا **وھو الاصح** اور غنیہ شرح منیہ میں بھی آپ کی تعریف سے متعلق فرمایا **ھذا ھو الاصح کما قال امام احمد رضا قدس سرہ فی الجزء الثالث من الفتاوی الرضویۃ**۔ اور صاحب فتح القدیر نے بھی فتح القدیر میں امام اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی تعریف ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ”**قیل ھو الاصح**“ اور صاحب رد المحتار نے بھی آپ کی تعریف مصر کے بارے میں فرمایا: ”**ھذا ھو الاصح**“ اور مجمع الانہر میں ہے: ”**وفی الغایۃ ھو الصحیح**۔“

علم صاف اور انصاف کے ساتھ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے ارشادات اور ظاہر الروایہ کے روایات میں نظر کرنے سے صاف واضح کہ فقہائے احناف کے نزدیک مصر وہی ہے جسے عرف عام میں شہر کہتے ہیں۔ نہ فقط جہاں تھانہ یا ڈاکخانہ یا محض متعدد مسجد یا مکھیا ہو اس کو مصر و شہر کہیں گے۔

ان مدعیان علم و دانش پر تعجب بالائے تعجب یہ کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کی نص صریح اور ظاہر الروایہ کی تعریفات کے ہوتے ہوئے ان سے آنکھیں بند کرکے ظاہر الروایہ کے خلاف روایت نادرہ مرجوحہ مہجورہ ضعیفہ کو عوام جہال کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور شرم کچھ بھی نہیں کرتے اور مصر کی تعریف میں کہتے ہیں: ”**مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ**۔“ ترجمہ: اس کا یہ ہے جس

کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے سکان اہل جمعہ نہ سما سکیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاویٰ رضویہ سوم ص ۱۴۰۰ پر فرماتے ہیں کہ:

محققین کے نزدیک یہ تعریف اصلاً وجہ صحت نہیں رکھتی اس سے زیادہ اس کی غلطی کیا ہوگی کہ اس پر مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ گاؤں ہو جاتے ہیں اور ان میں زمانہ اقدس سے آج تک جمعہ ناجائز و باطل قرار پاتا ہے۔

اور اسی کے ج ۳، ۱۲۰۷ پر فرماتے ہیں:

”مصر کی یہ تعریف کہ جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے سکان اہل جمعہ نہ سمائیں اگر بطور تعریف مانی جائے تو صریح باطل ہے جس پر وہ اعتراضات قاہرہ وارد ہیں جن کا جواب اصلاً ممکن نہیں اور اگر کچھ اور نہ ہو تو یہی کیا کم ہے کہ اس تعریف پر خود مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ گاؤں ٹھہرے جاتے ہیں اور ان میں جمعہ معاذ اللہ حرام باطل قرار پاتا ہے۔ اور فرماتے ہیں قدس سرہ خود اس تعریف کے اختیار کرنے والوں کو اقرار ہے کہ وہ روایت نادرہ خلاف ظاہر الروایہ میں ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے وہ ہمارے ائمہ کا قول نہیں وہ سب مرجوع عنہ اور متروک ہے۔

بحر الرائق میں ہے: ”**ما خرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولاً لہ**۔“

رد المحتار میں ہے: ”**ما خالف ظاھر الروایۃ لیس مذھباً لاصحابنا**۔“ **تو ظاھر الروایۃ مصحح معتمد معول علیہ**۔“

مختار جمہور موید و منصور کے خلاف ایک روایت نادرہ پر عمل و فتویٰ کیوں کر روا۔

درمختار میں ہے: **الحکم والفتیا بالقول المرجوع جھل وخرق للاجماع**۔“

اور اسی میں ص ۱۴۰ پر ہے اور غنیہ میں ہے: ”**الفصل فی ذلک ان مکۃ**

والمدينة مصر ان تقام فيهما الجمعة من زمنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الى اليوم فكل تفسير لايصدق على احدهما فهو غير معتبر حتى الذى اختاره جماعة من المتأخرين وهو ما اكبر مساجده لا يسعهم لانه منقوض بهما اذ مسجد كل منهما يسع اهله وزيادة۔"

اور حاشیہ فتاویٰ برہنہ ج ا ص ا ۴ ۳ پر ہے:

"ثم اختلفوا فی تفسیر المصر اختلافا کثیرا والفصل فی ذلك ان مكة والمدينة مصر ان تقام بهما الجمعة من زمنه عليه الصلوٰة و السلام الى اليوم وكل موضع كان مثل احدهما فهو مصر وكل تفسير لايصدق على احدهما فهو غير معتبر حتى التعريف الذى اختاره جماعة من المتأخرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما وهو مالو اجتمع اهله فى اكبر مساجده لايسعهم فانه منقوض بهما اذ كل مساجد يسع اهله وزيادة الى ان قال فلا تعتبر هذا التعريف۔" ۱۲۔

کبیری ص ۵۹۸ مطبوعہ لاہور اور مجمع الانہر ج ا ص ۱۶۶ پر ہے:

"وقيل مالو اجتمع اهله فى اكبر مساجده لا يسعهم" هذا رواية اخرى عن ابى يوسف وهو اختيار الثلجى وانما اورد بصيغة التمريض لانهم قالوا ان هذا الحد غير صحيح عند المحققين مع ان الاول يكون ملائما بشرط وجود السلطان ونائبه ومناسبا لما قاله الامام رحمه الله المصر كل بلدة فيها سكك واسواق الخ وفى الغاية هو الصحيح و كذا روى عن ابى يوسف غيرها تين الروايتين انه كل موضع يكون فيه كل محترف ويوجد فيه مايحتاج الناس اليه فى معاشهم وفيه فقيه يفتى وقاضى يقيم الحدود۔"

غنیہ اور حاشیہ برہنہ کا حاصل یہ کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ قطعاً یقیناً مصر و شہر ہیں

اور یہ دونوں پاک شہر زادہما اللہ شرفاً وتکریماً باعتبار مصریت اصل ہیں۔ فی التحفة وانهما هما الاصل فى اعتبار المصرية كما قال فى الفتاوى الرضوية۔

ان دونوں مبارک شہروں میں زمانہ اقدس سے آج تک جمعہ ہوتا آرہا ہے تو جو تعریف ان شہروں پر صادق نہ آئے وہ معتبر نہیں حتی کہ وہ تعریف بھی قابل اعتبار نہیں جسے متاخرین کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ "وهو ما اكبر مساجده لا يسعهم" کیوں کہ یہ تعریف ان پاک شہروں پر صادق نہ آنے کے باعث منقوض ہے صحیح و درست نہیں کہ ان کی مساجد کریمہ اپنے اہل کی ہمیشہ سے وسعت رکھتی ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۷۰۹ پر فرماتے ہیں:

مصر کی یہ تعریف کہ جس کی اکبر مساجد میں وہاں کے اہل جمعہ نہ سمائیں اپنے ظاہر معنی پر ہمارے آئمہ کے مذہب متواتر کے خلاف ہے۔ ولہذا محققین نے اسے رد فرمایا اور تصریح کی کہ اس تعریف پر خود مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ شہر سے خارج ہوجاتے ہیں۔ اور ان میں جمعہ باطل ٹھہرتا ہے کہ ان کی مساجد کریمہ اپنے اہل کی ہمیشہ سے وسعت رکھتی ہے۔ اور مجمع الانہر کا حاصل یہ ہے کہ مصر کی تعریف "قیل مالو اجتمع" امام ابو یوسف سے ایک دوسری روایت ہے۔ اسے ابن شجاع ثلجی نے اختیار کیا ہے امام ابو یوسف سے پہلی روایت یہ ہے:

"والمصر كل موضع له امير و قاض ينفذ الاحكام و يقيم الحدود۔"

ملتقی الابحر ص ۱۶۶ اس کے تحت در المنتقی میں ہے:

"عند ابى يوسف وهو ظاهر المذهب كما فى الهداية وغيرها انتهى۔ وقيل مالو اجتمع الخ۔"

مجہول کا صیغہ اس تعریف کے ساتھ اس لیے لایا گیا کہ یہ تعریف فقہا نے فرمایا کہ محققین کے نزدیک صحیح نہیں باوجود یہ کہ اول تعریف "کل موضع له امير الخ۔"

بشرط وجود سلطان یا نائب سلطان امام اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی تعریف کے ملائم ومناسب ہے اور امام ابو یوسف سے ان دونوں روایتوں کے علاوہ بھی ایک روایت ہے وہ "**کل موضع یکون فیہ الخ**۔" **کما مر**۔

اقول وباللہ التوفیق: سیدنا امام الائمہ سراج الامہ کشف الغمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے ارشادات اور ظاہر الروایۃ کے روایت اور ائمہ احناف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روشن تصحیحات وترجیحات کے ہوتے ہوئے خلاف ظاہر الروایۃ روایت نادرہ مرجوحہ مرجوع عنہ ضعیفہ پر جھکنا اور نا قابل اعتبار غیر مختار کو اختیار کرنا اور جابجا اس کا اشتہار دینا اور دیہاتیوں گاؤں باشیوں کو روز جمعہ ظہر یا جماعت سے روکنا امام مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کی کیسی تقلید اور مسلک امام ہمام اور مذہب احناف کی کیسی خدمت اور ترویج واشاعت ہے؟ اور جب اس روایت نادرہ کے علاوہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ سے اور بھی کئی روایتیں مصر کے بارے میں جو امام اور ائمہ احناف کے ارشادات وتعریفات کے مناسب وموافق ہیں ان کو چھپانا ان سے اغماض واعراض کرنا ان کا اشتہار نہ دینا کیسی دیانت اور کیسا انصاف ہے؟ **افلا تعقلون**۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاویٰ رضویہ سوم میں فرماتے ہیں:

"شہر کی یہ تعریف کہ جس کی اکبر مساجد میں اس کے سکان جن پر جمعہ فرض ہے نہ سما سکیں، ہمارے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے اور جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے۔ **کما فی البحر الرائق والخیریۃ ورد المحتار وغیرھا**۔ اور فتاویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایہ پر عمل واجب ہے۔ **کما فی البحر والدر وغیرھا**۔

اقول: محققین تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام پر فتویٰ واجب ہے اس سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ مشائخ مذہب قول صاحبین پر

افتا کریں تو جہاں قول صاحبین بھی امام ہی کے ساتھ ہے ایک روایت اور صرف بوجہ اختلاف فتویٰ متاخرین کیوں کر معمول ومقبول اور ائمہ ثلاثہ کا ظاہر الروایۃ میں جوارشاد ہے متروک ولائق عدول ہو لاجرم شرح نقایہ ومجمع الانہر میں تصریح فرمائی کہ شہر کی یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں۔ **کما ستسمع نصہ**۔

اقول معھذا: ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے جو اقامت جمعہ کے لیے مصر کے شرط لگائی اس کا ماخذ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حدیث صحیح ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ وعبد الرزاق نے اپنی مصنفات میں روایت کیا: "**لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ**۔" ظاہر ہے کہ اس روایت غریبہ کی تعریف بہت سے چھوٹے چھوٹے مزرعوں پر صادق جنہیں کوئی مصر جامع یا مدینہ نہ کہے گا۔ **کما اشار الیہ العلامۃ الطحاوی فی حاشیۃ العلائی**۔ تو اس قول کا اختیار اصل مذہب سے عدول اور اس کے ماخذ کا صریح خلاف ہے طرفہ یہ ہے کہ وہ پاک مبارک شہر جس کی مصریت پر اتفاق ہے اور ان میں زمانہ اقدس حضور سید عالم ﷺ سے جمعہ قائم، یعنی مدینہ ومکہ **زادھما اللہ شرفاً وتکریماً**۔ اس تعریف کی بنا پر وہی شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں۔ **علی ما صرح بہ العلامۃ ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ والعلامۃ السید الشریف الطحطاوی فی حاشیۃ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح**۔ تو اس کی بے اعتباری میں کیا شبہ ہے صحیح تعریف شہر کی یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہیں جہاں یہ تعریف صادق ہو وہی شہر ہے اور وہیں جمعہ جائز ہے۔ ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی ظاہر الراویۃ ہے۔ **کما فی الھدایۃ والخانیۃ والظھیریۃ والخلاصۃ والعنایۃ والحلیۃ والغنیۃ والدر المختار والھندیۃ وغیرھا**۔ اور یہی مذہب ہمارے امام اعظم کے استاذ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد خاص حضرت امام عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ

تعالیٰ علیہ کا ہے۔" کمافی مصنف عبد الرزاق حدثنا ابن جریج عن عطا ابن ابی رباح قال اذا کنت فی قریۃ جامعۃ فنودی بالصلوۃ من یوم الجمعۃ فحق علیك ان تشھدھا سمعت النداء اولم تسمعہ قال قلت لعطاء ما لقریۃ الجامعۃ قال ذات الجماعۃ و الامیر والقاضی و الدور المجتمعۃ الآخذ بعضھا ببعض مثل جدۃ۔" (۱) اور یہی قول امام ابو القاسم صفار تلمیذ التلمیذ امام محمد کا مختار ہے، کمافی الغنیۃ۔ (۲) اسی کو امام کرخی نے اختیار فرمایا، کما فی الھدایۃ۔ (۳) اسی پر امام قدوری نے اعتماد کیا، کما فی مجمع الانھر۔ (۴) اسی کو امام شمس الائمہ سرخسی نے ظاہر المذہب "عندنا" فرمایا، کمافی الخلاصۃ۔ (۵) اسی پر امام علاء الدین سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء، (۶) اور ان کے تلمیذ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود نے بدائع شرح تحفہ میں فتویٰ دیا۔ کما فی الحلیۃ۔ (۷) اسی پر امام فقیہ النفس قاضی خاں نے جزم و اقتصار کیا، کمافی فتاواہ۔ (۸) اور اسی کو شرح جامع صغیر میں قول معتمد فرمایا: کما فی الحلیۃ والغنیۃ۔ (۹) اسی کو امام شیخ الاسلام برہان الدین علی فرغانی نے مرجح رکھا کما فی شرح المنیۃ۔ (۱۰) اسی کو مضمرات میں اصح ٹھہرایا۔ کمافی جامع الرموز۔ (۱۱) ایسا ہی جواہر الاخلاطی میں لکھ کر "ھذا اقرب الاقاویل الی الصواب" کہا، کما رأیتہ فیھا۔ (۱۲) ایسا ہی غیاثیہ میں لکھا، کمافی الغنیۃ (۱۳) اسی کو تاتارخانیہ میں "علیہ الاعتماد" فرمایا، کمافی الھندیۃ (۱۴) اسی کو غنیہ شرح ھدایۃ (۱۵) وغنیۃ شرح منیۃ (۱۶) ومجمع الانھر شرح ملتقی الابحر (۱۷) وجواھر (۱۸) وشرح نقایہ قہستانی میں صحیح کہا۔ اخیر میں ہے یہی قول معمول علیہ ہے۔ (۱۹) اسی کو ملتقی الابحر میں مقدم و ماخوذ بہ ٹھہرایا (۲۰) اسی پر کنز الدقائق (۲۱) وکافی شرح وافی (۲۲) ونور الایضاح (۲۳) وعالمگیریہ وغیرہا میں جزم و اقتصار کیا۔ قول دیگر کا نام بھی نہ لیا (۲۴) اسی کو علامہ حسن شرنبلالی نے شرح نور الایضاح میں اصح وعلیہ الاعتماد فرمایا

(۲۶) اسی پر علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ شرنبلالی میں اعتماد اور قول آخر کا رد بلیغ کیا۔ (۲۷) اسی پر امام ابن الہمام محمد وعلامہ اسمٰعیل نابلسی وعلامہ نوح آفندی وعلامہ سید احمد حموی وغیرہم کبراء اعلام نے بنائے کلام فرمائی۔ شرح کل ذلك یطول انتہی کلام امام اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ۔"

ان دلائل ظاہرہ باہرہ اور براہین قاطعہ قاہرہ اور حجج لامعہ ساطعہ کے باوجود جو حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھنے سے معذور ہے اور اندھا بن کر اور فتنہ کا بہانہ بنا کر غلط کو صحیح اور باطل کو حق کہنے پر مصر ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ امام اعظم کی تقلید کے دعویٰ میں سچا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ عوام الناس طاعت کے معاملہ میں کہیں فتنہ نہیں اٹھاتے جب تک ان کے پیچھے کسی بے عمل مولوی یا جاہل پیر کا ہاتھ نہ ہو۔ میرا دعویٰ ہے میرا اذعان وایقان کہتا ہے کہ کوئی اختلاف نہ ہوگا کوئی فتنہ نہ اٹھے گا اگر یہ لوگ بھی سچے دل سے اخلاص کے ساتھ عوام کی رہنمائی کریں یہی مسئلہ جمعہ کو لے لیجئے اگر سب حنفی کہلانے والے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا صحیح مذہب ومسلک عوام کے سامنے رکھیں اور بتائیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بلکہ حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کے نزدیک بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک دیہات اور گاؤں اسی طرح جنگل وبیابان میں جمعہ صحیح ودرست نہیں بلکہ ناجائز وحرام ہے اور پڑھنے سے گناہ ہوتا ہے اور ظہر کا فرض ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا اور دیہات میں جمعہ کی حیثیت ایک نفل مکروہ کی ہے اور جو نماز بنام جمعہ پڑھی گئی وہ فرض نہیں بلکہ دیہات اور بن گاؤں اور جنگل میں جمعہ کے دن بھی ظہر ہی فرض ہے نہ پڑھنے پر کئی محظورات کا ارتکاب ہوتا ہے ترک ظہر جو فرض ہے ترک جماعت جو واجب ہے اور جماعت پر قدرت کے باوجود جماعت سے کنارہ کشی جو شناعت ہے۔ اعتقاد میں فساد کہ جو گاؤں اور دیہات میں فرض نہیں اس کو فرض جاننا اور جو فرض ہے یعنی ظہر اس کو فرض نہ جاننا وغیرہ اپنی خلوت میں بیان کریں۔ تو انشاء المولیٰ تعالیٰ کہیں نام کے لیے بھی بوئے

اختلاف نہ پائیں مگر ان جاہل پیروں اور نام کے مولویوں کا حال بگڑا ہوا ہے عوام جہال کو اپنے امام کے ارشادات کو دانستہ یا نادانستہ نہ بتا کر اس کے برعکس یہ بتائیں گے کہ فلاں صاحب فلاں گاؤں میں اور فلاں صاحب فلاں بستی میں اور فلاں صاحب فلاں بن میں نماز جمعہ پڑھی ہے اور دیہات میں جمعہ صحیح و جائز نہ ہوتا تو کیسے پڑھی۔ **ولاحول ولاقوہ الاباللہ۔** یہ کوئی دلیل ہے اقوال کے ہوتے ہوئے کوئی انصاف پسند افعال سے ہرگز استدلال نہیں کرتے مگر ان کی مت ہی نرالی ہے۔ **العیاذباللہ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ۔**

بعض علم و دانش کے مدعی حجت پکڑتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ میں **"یاایہا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ الخ۔"** مطلق ارشاد فرمایا ہے اس میں کسی جگہ کی تخصیص نہیں اس لیے دیہات میں بھی جمعہ فرض ہوگا۔

اقول: ولاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ تو پھر جنگل پہاڑ بن سمندر بحر خشک وتر میں فرض ہونا چاہیے اور ہر شخص پر فرض ہونا چاہیے کہ اس میں مرد عورت بچے غلام مریض مسافر کسی کا استثنا نہیں تو اس کو کہنا چاہیے کہ چار برس کے بچہ پر بھی جمعہ فرض ہے اور لنگڑے اندھے اپاہج مریض سب پر جمعہ فرض ہے۔ **العیاذباللہ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ۔**

اس کے قول پر یہ بھی لازم کہ جمعہ کے لیے نہ جماعت کی حاجت، نہ سلطان کی، نہ اس کے نائب کی، نہ اذان عام کی، نہ وقت کی اور نہ حریت و ذکورت کی، نہ اقامت وصحت کی، نہ قدرت و بصارت کی ضرورت حالاں کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جمعہ کا حکم مطلق و عام نہیں بلکہ مقید بقیود اور مشروط بشرائط ہے۔ **کما فی العالمگیری والبدائع والدر المختار ورد المحتار والھدایۃ والوقایۃ وغیرھا ومن شاء التفصیل فلیراجع الیہا۔**

بعض وہم ڈالتے ہیں کہ بحرین میں جواثی ایک گاؤں تھا جس میں صحابہ کرام

نے جمعہ قائم کیا اس لیے گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

اقول: یہ استدلال درست نہیں کیوں کہ تحقیق یہ ہے کہ جواثی گاؤں نہیں بلکہ شہر تھا۔ فتح القدیر ص ۲۲، ج ۲ پر ہے:

"وفی الصحاح ان جواثی حصن بالبحرین فھی مصر اذ لایخلوا الحصن عن حاکم علیھم وعالم ولذا قال فی المبسوط انہا مدینۃ بالبحرین و کیف والحصن یکون بای سور ولا یخلو ما کان کذالک عما قلنا عادۃ۔"

اور بدائع ج ۱ ص ۲۵۹ پر ہے:

"واما الحدیث فقد قیل ان جواثی مصر بالبحرین الخ۔"

بخاری شریف ج ۴ ص ۱۲۲ پر ہے:

"عن ابن عباس قال ان اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں جمعہ کے بعد پہلا جمعہ جو پڑھا گیا وہ بحرین کے علاقہ جواثی عبد القیس کی مسجد میں پڑھا گیا۔

اس اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تحت حاشیہ پر ہے:

"وھی قریۃ من قری البحرین وحکی ابن التین عن الشیخ ابی الحسن وانہا مدینۃ وفی الصحاح للجوھری والبلدان للزمخشری جواثا حصن بالبحرین وقال ابو عبید اللہ البکری ھی مدینۃ بالبحرین العبد القیس استدل الشافعیۃ بھذا الحدیث علی ان الجمعۃ تقام فی القریۃ الخ قلنا لانسلم انہا قریۃ بل ھی مدینۃ کما حکینا عن البکری وغیرہ وقد یطلق اسم القریۃ علی المدینۃ باعتبار المعنی

اللغوی کما فی قولہ تعالیٰ ولو لانزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین یعنی مکۃ والطائف فلایتم استدلال من یجیز الجمعۃ فی القریٰ بھذا الوجہ۔"

بالابیان سے واضح کہ جواثی گاؤں نہیں شہر تھا جیسا کہ فتح القدیر بدائع اور حاشیہ بخاری سے ظاہر وباہر اور جب جواثی شہر تھا تو وہ جمعہ شہر میں ہی قائم ہوا گاؤں میں نہیں۔

بدائع الصنائع ج ۱ص ۲۵۹ اور فتح القدیر ج ۲ ص ۲۳ پر ہے کہ:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں جمعہ قائم فرمایا اور اس کے اردگرد دیہاتوں میں کہیں قائم نہیں فرمایا اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کسی گاؤں میں جمعہ قائم نہیں فرمایا جب ملکوں اور شہروں کو فتح کیا تو ان کے شہروں میں جمعہ قائم کیا ان کے گاؤں اور دیہاتوں میں نہیں۔

بدائع کے الفاظ یہ ہیں:

"ولنا ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لاجمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا جمعۃ و لاتشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع و کذا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقیم الجمعۃ بالمدینۃ وما روی الاقامۃ حولھا و کذا الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم فتحوا البلاد وما نصبوا المنابر الا فی الامصار فکان ذلک اجماعا منھم علی ان المصر شرط ولان الظھر فریضۃ فلا یترک الا بنص قاطع والنص ورد بترکھا الا الجمعۃ فی الامصار ولھذا لاتؤدی الجمعۃ فی البراری ولان الجمعۃ من اعظم الشعائر فتختص بمکان اظھار الشعائر وھو المصر۔"

اور فتح القدیر کے کلمات یہ ہیں:

"ولھذا لم ینقل عن الصحابۃ انھم لما فتحوا البلاد واشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا فی الامصار دون القری ولو کانت لنقل ولو احادا۔"

بخاری شریف ج ۴ ص ۱۲۳ پر ہے:

عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قالت کان الناس ینتابون یوم الجمعۃ من منازلھم والعوالی۔"

حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ لوگ اپنی بستیوں اور گاؤں سے باری باری جمعہ کے لیے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے۔

اس حدیث شریف کے تحت عمدۃ القاری فی شرح البخاری ج ۶ ص ۱۹۹ پر ہے:

"لانہ لو کان واجبا علی اھل العوالی ما تناوبوا ولکانوا یحضرون جمیعًا۔"

اس حدیث پاک سے بھی واضح ہے کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہ تھا کیوں کہ گاؤں والوں پر اگر جمعہ فرض ہوتا تو وہ پھر باری باری جمعہ کے لیے مدینہ طیبہ میں نہ آتے بلکہ گاؤں کی پوری آبادی جمعہ میں شرکت کرتی۔

اور فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۷۳۸ پر ہے:

"وایضا ان الجمعۃ فرضت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو بمکۃ قبل الھجرۃ کما اخرجہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلم یکن اقامتھا من اجل الکفار فلما ھاجر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومن ھاجر معہ من اصحابہ الی المدینۃ لبث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی بنی عمرو بن عوف بضع اربعۃ عشر ایام ولم یصل الجمعۃ فھذا دلیل علی عدم الجمعۃ فی القری والا لصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ۔"

اور فیض الباری ج ۴،ص ۳۹۰ پر ہے کہ:

’’حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور آپ کے صحابہ کا متواتر عمل بھی ادا جمعہ کے لیے شہر کے شرط ہونے پر نص ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی تو آپ پہلے قبا میں ٹھہرے وہاں آپ نے چودہ روز قیام کیا، اور جمعہ قائم نہ فرمایا۔

بخاری میں عن انس۔ مروی ہے:

"فاقام فیھم اربعة عشر لیلة۔" اور دوران قیام قبا آپ کو دو جمعہ پیش آئے کیوں کہ آپ پیر کے دن قبا میں فروکش ہوئے اور پیر ہی کے روز قبا سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے لیکن آپ نے دوران قیام قبا جمعہ قائم نہیں فرمایا نہ اہل قبا کو جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔

اور اسی کے ص ۴۰۰ پر ہے:

’’جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں قبل ہجرت ہو چکی تھی مگر بوجہ غلبہ کفار مکہ میں جمعہ قائم نہ ہو سکا اور سورہ جمعہ کا نزول فرضیت جمعہ کے بعد ہوا پھر جب حضور علیہ السلام نے ہجرت فرمائی مدینہ منورہ جو کہ مصر تھا وہاں حضور علیہ السلام نے جمعہ قائم فرمایا‘‘

اسی میں ہے علامہ سیوطی نے لکھا:

"النوع الثانی عشر ماتأخر حکمه عن نزوله وماتأخر نزوله عن حکمه الی ان قال ومن امثلته ایضا آیة الجمعة فانها مدنیة (اتقان)

ان مذکورہ بیان سے بخوبی عیاں کہ گاؤں میں جمعہ نہیں اور بعض مدعیان فقہ وفتویٰ کا فتویٰ دینا کہ دیہات میں جمعہ پڑھیں اور ظہر احتیاطی بھی۔

اقول یہ فتویٰ نہیں طغویٰ ہے جہالت پر جہالت کا ثبوت ہے کیوں کہ دیہات اور گاؤں ظہر احتیاطی کا محل نہیں ظہر احتیاطی کا محل وہ شہر وقصبات ہیں جن میں شرائط جمعہ کے اجتماع میں اشتباہ واقع ہو یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو۔

فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۲،ص ۵۰ پر ہے:

"ثم فی کل موضع وقع الشك فی کونه مصراً واقام اهل ذلك الجمعة بشرائطها فینبغی لاهلذلك الموضع ان یصلوا بعد الجمعة اربع رکعات وینوون به الظهر احتیاطا حتی انه لولم یقع الجمعة موقعها یخرج عن عهدة فرض الوقت بادائه الظهر بیقین۔"

اور فتاویٰ عالمگیری ج ۱،ص ۱۴۵ پر ہے:

"ثم فی کل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة بوقوع الشك فی المصر اوغیره واقام اهله الجمعة ینبغی انیصلوا بعد الجمعة اربعة رکعات وینووا بها الظهر حتی لولم تقع الجمعة موقعها یخرج عن عهدة فرض الوقت بیقین و کذا فی الکافی وهکذا فی المحیط۔"

اور فتح القدیر ج ۲،ص ۲۵ پر ہے:

"واذا اشتبه علی الانسان ذلك ینبغی ان یصلی اربعاً بعد الجمعة ینوی بها آخر فرض ادرکت وقته ولواؤده بعد فان لم تصح الجمعة وقعت ظهره وان صحت کانت نفلا وهکذا فی مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر ج ۱،ص ۱۶۸ وقال کما فی الکافی وفی القینة عن بعض المشائخ لما ابتلی اهل مرو باقامة جمعتین مع اختلاف العلماء فی جوازها امرهم ائمتهم باداء الاربع بعدها حتماً احتیاطاً انتهی۔"

اور رد المحتار ج ۱،ص ۵۹۶ پر ہے:

"ونقل المقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشك فی کون مصراً ینبغی لهم ان یصلوا بعد الجمعة اربعاً بنیة الظهر احتیاطاً حتی انه لو لم تقع الجمعة موقعها یخرجون عن عهدة فرض الوقف باداء الظهر ومثله فی الکافی وفی القنیة لما ابتلی اهل مرو الخ۔ کما مر۔

اور مراقی الفلاح ص ۳۱۴ میں ہے:

ولا یفتی بالاربع الاللخواص ویکون فعلهم ایاها فی منازلهم۔"

اور فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۷۰۵ میں ہے:

"ان وقع الشك فی صحة الجمعة لوقوع الشبهة فی شرط کالمصریة او کون الدار دار الاسلا فالظاهر الوجوب و ان کان هناك توهم لاجل خلاف ضعیف فالندب ویفتی به الخواص لاالعوام۔"

اور ج ۳، ص ۶۸۰ پر ہے:

"وہ شہر و قصبات جن میں شرائط جمعہ کے اجتماع میں اشتباہ واقع ہو یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور آج کل ہندوستان کے عام بلاد ایسے ہی ہیں ایسی جگہ ہمارے علمائے کرام نے حکم دیا کہ بعد جمعہ چار رکعت فرض احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہ کی یہ رکعتیں چاروں سنت بعد یہ جمعہ کے بعد پڑھے اور جس پر ظہر کی قضاء عمری نہ ہو وہ چاروں میں سورت بھی ملائے پھر جمعہ کی دو سنتیں ان رکعتوں کے بعد بہ نیت سنت وقت ادا کرے جمعہ پڑھتے وقت نیت صحیح و ثابت رکھے جمعہ کو صحیح سمجھ کر خاص فرض جمعہ کی نیت کرے۔"

اور ج ۳، ص ۶۸۳ پر ہے:

"مگر یہ اس جگہ کے لیے ہے جو شہر یا فناء شہر ہو اور تعدد جمعہ غیرہ وجوہ کے سبب صحت جمعہ میں اشتباہ ہو، گاؤں میں جمعہ اصلاً جائز نہیں تو وہاں اس کی اجازت نہیں ہو سکتی کہ ایک ناجائز کام کریں اور ان چار رکعت احتیاطی سے اس کی تلافی چاہیں۔

اور اسی کے ص ۷۰۰ ج ۳ پر ہے:

جہاں جمعہ بحسب مذہب بلا شبہ ناجائز و باطل ہے جیسے وہ گاؤں جو کسی روایت مذہب پر مصر نہیں ہو سکتے وہاں ظہر آپ ہی عیناً فرض ہے اور جمعہ پڑھانے اور چار رکعت احتیاطی بتانے کی اصلاً گنجائش نہیں۔ فان الشرع لایأمر بارتکاب

الاثم والاشتغال بما لا یصح اصلاً۔ ان کا محل وہاں ہے کہ صحت جمعہ میں اشتباہ و تردد قوی ہو مثلاً وہ مواضع جن کی مصریت میں شک ہے باوصف اطمینان صحت جانب خلاف کچھ وقعت رکھتی ہو مثلاً جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا اور سبقت نامعلوم ہو کہ اگرچہ دربارۂ تعدد قول جواز ہی معتمد و ماخوذ و مفتی بہ ہے مگر عدم جواز بھی ساقط و ناقابل التفات نہیں کما بینہ فی رد المحتار صورت اولی میں ان چار رکعت کا حکم ایجاباً و تاکیداً ہوگا۔ لوقوع الشبهة فی برائة العهدة۔ اور ثانیہ میں "استحباباً و ترغیباً لان الخروج عن الخلاف مستحب اجماعاً مالم یلزم محذور اه۔"

ان بالا بیانات سے روشن کہ دیہات محل ظہر احتیاطی نہیں وہاں ظہر ہی قطعاً یقیناً عیناً فرض ظہر احتیاطی کا محل وہ شہر و قصبات ہیں جن کی مصریت میں اشتباہ ہو یا جس شہر میں جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو بعض لوگ اس گاؤں کو مصر و شہر قرار دیتے ہیں جس گاؤں کی بڑی سے بڑی مسجد میں اس کے اہل نہ سما سکیں اور گلیاں اور بازار ہوں اور اس میں چند مولوی مولانا ہوں مسئلہ دین جاری کرتے ہوں اور قاضی ہو کر انصاف مظلوم کرتے ہوں اس گاؤں کے متصل اور گاؤں بھی ہے۔ ایسے گاؤں میں کہتے ہیں جمعہ جائز ہے۔

اقول: اس کا جواب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سنئے:

الجواب گاؤں متصل ہونے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ دیہات اس کے متعلق ہوں یہ ضلع یا پرگنہ ہوا اپنے اپنے طور پر فیصلہ کرنے سے شہر نہیں ہو جاتا بلکہ والی ملک یا اس کا مقرر کردہ حاکم ہو اگر یہ دونوں باتیں ہیں تو اس میں جمعہ جائز و صحیح ہے ورنہ باطل و ناجائز۔"

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا یہ فتویٰ آپ کے وصال شریف سے صرف ڈیڑھ سال قبل کا ہے۔ کما فی الفتاویٰ الرضویہ ج ۳، ص ۷۴۹

اس تقریر منیر سے واضح کہ جہاں بازار ہوں گلیاں ہوں مسلمان بے شمار آباد ہوں وہاں علمائے کرام کی کثرت ہو ان کی طرف سے قاضی بھی مقرر ہو وہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لیتا بھی ہو مگر حکومت وقت کا مقرر کردہ نہ ہو تو وہ جگہ نہ مصر اور نہ وہاں جمعہ جائز بلکہ باطل۔

اقول: اس سے بہت کم اور کمتر درجہ ہے گاؤں کے مکھیا پردھان اور تھانہ دار کا تو اس کے ہونے سے کوئی جگہ کیسے مصر ہو جائے گی؟ کما سبق غیر مرۃ۔

امامت جمعہ وعیدین کے مسئلہ سے بھی اکثر لوگ غافل ہیں ان کی امامت کو نماز پنج گانہ کی امامت کے مثل سمجھتے ہیں جو چاہا جب چاہا جس کو چاہا امام بنالیا اور جب چاہا معزول کر دیا حالانکہ امامت جمعہ کا مسئلہ ایسا نہیں۔ پنج گانہ میں ہر شخص صحیح الایمان، صحیح القراۃ، صحیح الطہارۃ مرد عاقل بالغ غیر فاسق غیر معذور امامت کر سکتا ہے مگر جمعہ وعیدین میں کوئی امامت نہیں کر سکتا اگرچہ حافظ قاری متقی وغیرہ وغیرہ فضائل کا جامع ہو مگر وہ جو بحکم شرع عام مسلمانوں کا خود امام ہو کر بالعموم ان پر استحقاق امامت رکھتا ہو یا ایسے امام کا ماذون ومقرر کردہ ہو اور یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اولاً وہ سلطان اسلام ہو۔ ثانیاً جہاں سلطنت اسلام نہیں وہاں یہ امامت عامہ اس شہر کے اعلم علماء دین کو ہے۔ ثالثاً جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بمجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود ایسا امام نہ ایسے امام کا نائب وماذون ومقرر کردہ اس کی امامت ان نمازوں میں اصلاً صحیح نہیں اگر امامت کرے گا نماز باطل محض ہوگی جمعہ کا فرض سر پر رہ جائے گا ان شہروں میں کہ سلطان اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے اعلم علماء بلد کہ اس شہر کے سنی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو نماز کے مثل مسلمانوں کے کاموں میں ان کا امام عام ہے اور بحکم قرآن عظیم ان پر اس کی طرف رجوع اور اس کے ارشاد پر عمل فرض ہے جمعہ وعیدین وکسوف کی امامت وہ خود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے اس کے خلاف پر عوام بطور خود اگر کسی کو امام بنالیں گے صحیح نہ ہوگا کہ امام کا تقرر بمجبوری اس حالت میں روا رکھا گیا ہے جب امام عام موجود نہ ہو اس کے ہوتے ہوئے ان کے قرارداد کوئی چیز نہیں۔ کما فی الفتاوی الرضویہ۔

مراقی الفلاح ۱۱۳ میں ہے:

والجمعة فرض آكد من الظهر على كل من اجتمع فيه سبعة شرائط وهى الذكورة والحرية والاقامة بمصر والصحة والامن من الظالم وسلامة العينين والسابع سلامة الرجلين ويشترط لصحتها ستة اشياء الاول المصر اوفنائه والسلطان اونائبه الثالث وقت الظهر والرابع الخطبة قبلها بقصدها فى وقتها للماثور وحضور احد لسماعها ممن تنعقد بهم الجمعة ولو واحداً فى الصحيح ويشترط ان لايفصل بين الخطبة والصلاة باكل وعمل قاطع فهذه خمس شروط اوست لصحة الخطبة فليتنبه لها والخامس الاذن العام كذا فى الكنز لانها من شعائر الاسلام وخصائص الدين فلزم اقامتها على سبيل الاشتهار والعموم حتى لوغلق الامام باب قصره اوالمحل الذى يصلى فيه باصحابه لم يجز والسادس الجماعة لان العلماء اجمعوا على انها لاتصح من المنفرد وعندناهم ثلثة رجال وهم غير الامام عند الامام الاعظم ومحمد اه ملخصاً. وفى حاشية المراقى مضت السنة ان الذى يقيم الجمعة السلطان اومن بها امره فان لم يكن كذالك صلوا الظهر كذا فى الحلبى واذا لم يكن استئذان السلطن لموته اوفتنة واجتمع الناس على رجل فصلى بهم جاز لضرورة كما فعل على فى محاضرة عثمان رضى الله عنه وان فعلوذلك لغير ماذكر لايجوز لعدم الضرورة وروى ذلك عن محمد فى العيون وهو الصحيح وفى مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوىٰ غلب على المسلمين ولاة الكفار يجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلماً اه. ولومات الخليفة وله ولاة على امور العامة كان لهم ان يقيموا الجمعة لانهم اقيموا

لأمور المسلمين فكانوا علی حالهم مالم یعزلوا حلبی۔ وفی الرضویۃ عن فتاویٰ الامام عتابی ثم عن الحدیقۃ الندیۃ۔ اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیہم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعہم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمہم فان استووا اقرع بینہم قال اللہ عزوجل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔"

علماء دین فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ آیۂ کریمہ میں "اولی الامر" سے مراد علماء دین ہیں۔ "نص علیہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المواہب وغیرہ فی غیرہ

درمختار میں ہے:"نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمہم فیجوز للضرورۃ۔"

فتاویٰ قاضی خاں وردالمحتار وغیرہ ہما میں ہے:

خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم یجز الا ان یکون الامام امرہ بذلک واللہ تعالیٰ اعلم۔ اھ

ان تصریحات سے واضح اور روشن کہ صحت جمعہ کے لیے مصر یا فناء مصر کا ہونا ضروری ہے فناء مصر حوالئ شہر کے ان مقامات کو کہتے ہیں جو مصالح شہر کے لیے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عیدگاہ و یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظت شہر کے لیے فوج رکھی جاتی ہے اس کی چھاؤنی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچہریاں اگرچہ یہ مواضع شہر سے کتنی ہی میل ہوں اگرچہ بیچ میں کچھ کھیت حائل ہوں اور جو نہ شہر ہے نہ فناء شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اور نمازیں یعنی پنج گانہ شہر غیر شہر جہاں پڑھ لیں صحیح ہیں مگر جمعہ کہ اس کا امام خاص اس طریق معین کا درکار جو اوپر مذکور ہوا اس کے لیے قبل جمعہ خطبہ کا ہونا لازمی کہ بے اس کے جمعہ نہیں پھر خطبہ کے لیے بھی کئی شرطیں جیسا کہ مراقی الفلاح کے حوالہ سے گذرا

اور اس کے لیے اذن عام بھی ضروری کہ بند گھر میں جمعہ صحیح نہیں۔ اسی طرح عیدین کے لیے سوا خطبہ کے سب ضروری ہے بخلاف نماز پنج گانہ کہ اس کے لیے نہ شہر ضرور نہ فناء، نہ امام خاص، نہ خطبہ، نہ اذن عام ضروری یہ مسئلہ نہایت واجب الحفظ ہے آج کل جہال میں بلکہ مدعیان علم و دانش میں یہ بلا پھیلی ہوئی ہے کہ جمعہ یا نماز عید کو پنج گانہ کی طرح سمجھ رکھا ہے ذرا سی کوئی بات ہوئی امام سے الگ مسجد و عیدگاہ سے جدا ہو گئے یا جمعہ یا نماز عید نہ ملی کسی مسجد میں ڈھائی آدمی جمع ہو گئے کسی کو امام ٹھہرا کر نماز پڑھ لیا اور سمجھا کہ نماز ہو گئی حالاں کہ وہ نماز نہیں ہوئی اور اس کے پڑھنے کا گناہ الگ اللہ توفیق بخشے ہدایت دے کہ صحیح کو صحیح جانیں اور باطل سے جدا رہیں۔ آمین یارب العلمین صل وسلم علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

بحمدہٖ تعالیٰ یہ مسئلۂ جمعہ کی ایسی تحقیق ہے جس سے اہل انصاف حق کے متلاشی باغ باغ ہو جائیں دعائیں دیں مبارکبادی پیش کریں اور شپرہ چشم بوم صفت پیچ و تاب کھائیں جلیں بھونیں ٹھیک دوپہر میں بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ آفتاب عالم تاب کا انکار کریں اور اہل حرمان و خسران اخوان الشیطان واصحاب خذلان بیہودہ اور فضول بکواس کریں باطل پر جمے رہنے کا سامان کریں۔

ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور۔ کے مصداق بنیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ من یہدہ اللہ فما لہ من مضل ومن یضللہ فما لہ من ھاد۔

معتبر علمائے احناف اور قابل تقلید فقہاء انصاف کے ارشادات آپ کے نگاہوں کے سامنے ہیں ان کا مسلک و مذہب واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے حق و انصاف پسند کے لیے یہ مجموعہ مبرہنہ مبینہ کافی و وافی شافی صافی ہے مخالفین و معاندین اعراض و انکار کریں اور ٹھیک دوپہر کو آنکھیں بند کر کے آفتاب جہاں تاب سے فیض نہ لے کر کور چشمی کا ثبوت دیں تو اس کا علاج کہیں نہیں۔ عوام کالانعام بتدریج راہ پر لائے جائیں ابتداءً نہیں

منع کی حاجت نہیں مگر ظہر کی ضرور تلقین کریں اور باجماعت پڑھنے کی یہ مغالطہ کہ ایک وقت میں دو نماز فرض جمعہ ظہر یہ دھوکہ ہے جب جمعہ عند الاحناف دیہات اور گاؤں میں، بن اور صحرا میں بمنزل نفل ہے وہ بھی مکروہ تو ایک ہی فرض ہوا وہ کہاں یہاں زبردست خرابی اس میں ہے کہ دیہات میں جمعہ فرض نہیں اور آپ نے فرض جانا یہ مفسد عقیدہ ہے ایسے عقیدے سے دور ہو جائیں توبہ کریں سچے پکے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے مقلد بنیں ایں وآں چون وچرا کو چھوڑ دیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی پیروی کریں اس سے زیادہ تفصیل چاہتے ہیں تو کتب فقہیہ وفتاویٰ کا مطالعہ کریں بالخصوص فتاویٰ رضویہ جلد سوم کا اخلاص وانصاف کے ساتھ نظارہ کریں۔ ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ وہم کے سارے ظلمات چھٹ جائیں گے اور یقینیات کے اجالے میں پہنچ جائیں گے۔ بفضلہ تعالیٰ وبکرمہ جل وعلی تم الجواب ظہر وزھر الحق والصواب۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ ھذا ما تیسر لی بتوفیق اللہ العزیز العلام الوھاب من صحیح البخاری اصح الکتب بعد کتب اللہ لامیر المومنین فی الحدیث محمد بن اسمعیل البخاری م۲۵۶ وعمدۃ القاری فی شرح البخاری للعلامۃ بدر الدین محمود العینی م۸۵۵ ومن الکتب المستندۃ المتداولۃ الفقہیۃ من بدائع الصنائع لملک العلماء ابوبکر بن مسعود الکاسانی م۵۸۷ وفتاویٰ قاضی خاں للامام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی م۵۹۲ والھدایۃ للشیخ برھان الدین ابو الحسن علی المرغینانی المرشدانی م۵۹۳ وکنز الدقائق لابی البرکات عبد اللہ النسفی م۷۱۰ وشرح الوقایۃ لصدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود م۷۴۷ والعنایۃ للامام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی م۷۸۶ وفتح القدیر للشیخ کمال الدین محمد ابن عبد الواحد الشہیر بابن الھمام م۸۶۱ وتنویر الابصار لشیخ الاسلام محمد بن

عبد اللہ التمرتاشی م۱۰۰۴ ومراقی الفلاح فی شرح نور الایضاح للشیخ حسن بن علی الشرنبلالی م۱۰۶۹ والدر المختار للشیخ علاء الدین محمد بن علی الحصکفی م۱۰۸۸ ورد المحتار للعلامۃ الفقہیۃ الشیخ محمد امین الشہیر بابن العابدین الشامی م۱۲۵۲ ودر المنتقی فی شرح الملتقی للامام علاء الدین الحصکفی م۱۰۸۸ وملتقی الابحر للامام محمد ابراھیم بن ابراھیم الحلبی ومجمع الانھر، والقدوری لابو الحسین البغدادی م۴۲۸ والمبسوط والاختیار لتعلیل المختار والتاتار خانیۃ ومیزان الکبریٰ ورحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ وکتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ والکفایۃ شرح الھدایۃ للعلامۃ جلال الدین الخوارزمی والعالمگیریۃ تمت جمعھا ۱۰۸۵ من سلطان الھند اورنگزیب م۱۱۱۹ والفتاوی برھنہ والرضویۃ والافریقیۃ والاحکام للامام احمد رضا البریلوی م۱۳۴۰ والامجدیۃ والبھار لصدر الشریعۃ ابو العلا امجد علی الاعظمی م۱۳۶۷ والقانون للقاضی شمس الدین الجونفوری والنظام لامام النحو الفقیہ العلامۃ غلام جیلانی المیرٹی وغیرھا مع قلۃ الفرصۃ وکثرۃ الاشتغال من الافتاء والتدریس والاھتمام للجامعۃ وللہ الحمد وما توفیقی الا باللہ واعلموا ان ھذہ الرسالۃ العجالۃ فی جواب مسئلۃ الجمعۃ مبارکۃ نافعۃ لاولی الالباب وذوی العدل والانصاف وحرز من التلبیس وحصن حصین للمقلدین من الشیطن اللعین ونقحت فیھا تنقیحا کثیراً وان کنت لست بذلک جدیرا متوکلا علی اللہ تعالیٰ ومتوسلاً بوسیلۃ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً وھو حسبی ونعم الوکیل ونعم المولیٰ ونعم النصیر وتعاونني علیھا بالنقل والکتابۃ تلمیذی

واعزی اخی فی الدین المولوی محمد مصلح الدین البرکاتی صانہ اللہ المولی تعالیٰ عن موجبات التلھف والتأسف واصلح حالہ وبالہ المتعلم بالجامعۃ الحنفیۃ الغوثیۃ الواقعۃ بللی جنکفور نیبال، وجعل المولی تعالیٰ سعیہ مشکورًا واذا صارت ھذہ العجالۃ بصورۃ الرسالۃ فاحببت ان اسمیھا فسمیتھا تحقیق المسئلۃ فی الجمعۃ المبارکۃ لیکون بموضوعھا الشعار والعلامۃ ونسئل اللہ تعالیٰ ان یصلی علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ وان یمیتنا علی الایمان وان یسعدنی بلقائہ وان یتقبل ھذہ العجالۃ وینفع بھا عبادہ المومنین المقلدین ویغفرلی ما فرط منی فیھا وفی غیرھا انہ علی کل شئ قدیر وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ صحبہ وسلم ابدا ابدا آمین یارب العالمین.

انا المفتقر الی المقتدر جیش محمد الصدیقی البرکاتی غفرلہ ولوالدیہ ومشائخہ ومحبیہ بمنہ وکرمہ المدرس بالجامعۃ الحنفیۃ الغوثیۃ لاھل السنۃ والجماعۃ وقدوقع الفراغ عنھا یوم الاثنین لثمان من ربیع النور ربیع الاول الشریف سنۃ ثلاثۃ عشر بعد الالف واربعمائۃ من الھجرۃ النبویۃ علیہ التحیۃ والثناء وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وذریاتہ واھل بیتہ اجمعین.

۸/۳/۱۴۱۳ھ

روز ایمان افروز دوشنبہ بعد العصر قبل المغرب

والحمد للہ علی نوالہ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وآلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

زید نے جمعہ کی نماز پڑھائی جس کی پہلی رکعت میں چودہ پارہ کی چھ یا سات

آیت پڑھائی اور دوسری رکعت میں ۲۸ پارہ سورۂ حشر کی آخری آیت صرف ایک آیت پڑھائی زید نے جب نماز ختم کی تو بکر نے اعتراض کیا کہ نماز نہ ہوئی کہ آپ نے دوسری رکعت میں ایک چھوٹی آیت پڑھی ہے۔

لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔!

المستفتی: محمد اسلم رضا برکاتی، مقام پٹھاہر پرسا ضلع مدھوبنی (بہار)

۱۲/۴/۱۴۱۱ھ

۷۸۶/۹۲

الجواب: بعون الملک الوھاب: صورت مذکورہ میں نماز کے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ نماز مع فرض وواجب ادا ہوئی کہ نماز میں فرض صرف ایک آیت کا پڑھنا ہے اور پوری سورہ فاتحہ اور اس کے بعد متصلا تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت کہ تین چھوٹی کے برابر ہو پڑھنا واجب ہے چھوٹی آیت کی مقدار چھ حرف سے کم نہ ہو اقلھا ستۃ احرف ولو تقدیرا کلم یلد یا جیسے ثم نظر. یا جیسے الرحمٰن تو فرض صرف مثلاً لم یلد یا فقط ثم نظر یا محض الرحمٰن سے ادا ہوجائے گا اور واجب مکمل فاتحہ اور اس کے ساتھ تین آیتیں چھوٹی چھوٹی مثلاً "الرحمٰن. علم القرآن. خلق الانسان" یا تین چھوٹی آیتوں کے برابر کوئی ایک بڑی آیت سے ادا ہوجائے گا فرض کے ترک سے نماز نہ ہوگی اور واجب کے ترک سے اگر بھول کرہے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور اگر قصداً ہے تو نماز پھیرنی واجب ہوگی ظاہر ہے کہ سورہ حشر کی آخری آیت تین چھوٹی چھوٹی آیتوں سے بڑی ہے تو پھر صحت نماز میں کیا شبہ نماز مع واجب ادا ہوئی بکر کا اعتراض سراسر غلط اور محض جہالت ہے بکر اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کرے اور آئندہ بلا علم منہ نہ کھولے۔ "من افتی بغیر علم فھو آثم" اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل دیکھنی ہو تو فتاویٰ رضویہ جلد سوم، فتاویٰ عالمگیری، درمختار وغیرہ دیکھئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

۱۳ر ۴ر ۱۴۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

زید کا قول ہے کہ دو سجدوں کے درمیان کونسی دعا پڑھی جاتی ہے؟ اگر اس دعا کو امام قصداً یا سہواً چھوڑ دیں تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز دائیں طرف سلام پھیرے تو فرشتہ اور مقتدی کا نام کہے کیسے کہاں تک کہ صحیح ہے؟ اور مقتدی کو فرشتہ امام کا نام کہنا فقط والسلام

عبد المصطفیٰ مقام دھیراپور

الجواب: بعون الملک الوھاب: فرض نماز میں درمیان سجدہ اللھم اغفرلی کہنا امام ومقتدی اور منفرد سب کو صرف مستحب ہے۔ اگر اس دعا کو امام نہ پڑھے تو نماز میں حرج نہیں ان کے پیچھے نماز بلاشک وشبہ جائز ہے اگر امام عاقل، بالغ، صحیح القرأۃ، صحیح العقیدہ غیر معذور مسلک اہل سنت و جماعت کا پابند ہے فاسق معلن نہیں ہے فرق باطلہ، وہابیہ، دیوبندیہ، غیر مقلدیہ، مجیبیہ، پھلواریہ وغیرہا سے دور رہتا ہے اور دائیں بائیں سلام پھیرنے میں کسی کا نام لے کر سلام کرنا ثابت نہیں۔ صرف دل میں نیت سلام ہو اور بس۔

درمختار ج ۱ ص ۳۸۹ میں ہے:

"و ینوی الامام بخطابہ السلام علی من فی یمینہ و یسارہ ممن معہ فی صلاتہ و لو جنا او نساء و الحفظۃ فیھما بلا نیۃ عدد کالایمان بالانبیاء و یزید المؤتم السلام علی امامہ فی التسلیمۃ الاولی ان کان الامام فیھا و الا ففی الثانیۃ و نواہ فیھما لو محاذیا و ینوی المنفرد الحفظۃ فقط اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ر ۸ر ۱۴۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ: دیہات

کے اندر رسمی جمعہ باجماعت ادا کرنے کے بعد ظہر کی نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

المرسل: فقیر رحمت علی رضوی

مقام بہرا، ڈاکخانہ جیلشور، ضلع مہوتری (نیپال)

الجواب: بعون الملک الوھاب: دیہات میں نماز جمعہ جمہور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اہل دیہات پر ظہر ہی فرض اور باجماعت قریب بواجب بلکہ تارک گنہگار اور رسمی جمعہ دیہات کے اندر فعل مکروہ کے درجہ میں، مگر عوام کو روکنا مناسب نہیں لوگوں کو بتادیا جائے کہ دیہات میں جمعہ فرض نہیں بلکہ ظہر ہی فرض ہے تاکہ غیر فرض کو فرض نہ اعتقاد کرے جو صورت آپ نے پیش کی ہے اس میں اگرچہ کراہت کا ارتکاب ہے مگر فرض پر عمل ہو جاتا ہے۔ جس سے ترک فرض کے الزام اور گناہ سے برات حاصل ہو جاتی ہے۔ دفع فساد اور رفع اختلاف کے لئے اور عوام الناس کو بتدریج راہ پر لانے کے لئے یہ بہترین صورت ہے کاش فرض پر عمل کرتے ہوئے کراہت سے بچاؤ کی بھی کوئی شکل ہوجاتی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

۵/ ۱۱/ ۱۴۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔ معلم جو متعلم کو قرآن مجید ناظرہ پڑھاتے ہیں، آیت سجدہ پڑھنے پر معلم اور متعلم دونوں پر سجدہ ضروری ہے یا صرف متعلم پر؟

سائل محمد طیب جوہر القادری، مقام ہرنے، پوسٹ ہرلاکھی، ضلع مدھوبنی (بہار)

۲۹ ربیع النور شریف ۱۴۰۸ ہجری

الجواب: بعون الملک الوھاب: دونوں پر سجدہ واجب ہے جب کہ دونوں نماز کا اہل ہو۔ یعنی ادا یا قضا کا اسے حکم ہو۔ نابالغ یا مجنوں یا حیض ونفاس والی

عورت یا کافرہ نہ ہو کہ ان سب نے اگر آیت سجدہ پڑھی تو ان پر سجدہ واجب نہیں۔ اور عاقل، بالغ اہل نماز نے ان سے سنی تو اس پر واجب ہے۔

المختار للفتوی ص:٥٧ میں ہے:

وھو واجب علی التالی والسامع اور اس کی شرح الاختیار میں ہے **قال علیه الصلاة والسلام السجدة علی من تلاھا السجدة وعلی من سمعھا الی ان قال سواء کان التالی کافرا او حائضا او نفساء او جنبا او محدثا او صبیا عاقلا او امرءة او سکران لان النص لم یفصل ومن لایجب علیه الصلاة ولا قضاء لایجب علیه سجود التلاوة کالحائض والنفساء لانھا من اجزاء الصلاة انتھی کذا فی العالمگیری** (ج:١ص:٦٨)

ان مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ سجدۂ تلاوت اس پر ہے جو وجوب نماز کا اہل ہو تو متعلم اور معلم میں سے جو اہل ہوگا اس پر سجدہ واجب۔ اور جو اہل نہ ہو مثلاً نابالغ ہو تو اس پر واجب نہیں۔ لیکن نابالغ نے آیت سجدہ تلاوت کی اور اہل نے سنی تو اہل پر واجب اور خود اس پر نہیں۔ **واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب**

کیا فرماتے ہیں علماے دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

(١) وہابی دیوبندی امام کے پیچھے بریلوی عقیدہ سنی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(٢) اور مسجد کا سابق امام اگر دیوبندی ہو تو دوسرا امام بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(٣) اور اگر کوئی سنی مسلمان اس دیوبندی امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا ہو تو نماز دہرائی جائے گی یا نہیں؟

(٤) اور اگر کوئی شخص دیوبندی امام کے پیچھے عمر بھر نماز پڑھتا رہے، نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

(٥) اور جس امام سے لوگ ناراض ہوں اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہے ایسے امام کو امامت چھوڑ دینا چاہیے یا نہیں؟

ہر ایک سوال کا جواب قرآن وحدیث اور عقیدہ اعلیٰ حضرت کی روشنی میں مرحمت فرمائیں۔ فقط والسلام

عبد المجید

مقام وپوسٹ کنیا تھانہ بینی پٹی، ضلع مدھوبنی (بہار)

٢٤/٢/١٩٩١ء

الجواب: بعون الملك الوھاب (١) جماعت وہابیہ دیوبندیہ اسی طرح فرقہ پھلواریہ خذلہم المولیٰ تعالیٰ اپنے عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ کے باعث خارج از اسلام ہیں، اس لیے ان کے پیچھے کسی کی نماز صحیح نہیں بلکہ ان کے پیچھے ایسی ہی ہے جیسے یہود ونصاریٰ کے پیچھے بلکہ ان سے بھی بدتر اور دانستہ پڑھنے والے گنہگار مستحق عذاب نار۔

(٢) دیوبندی امام کو معزول کر دینا فرض اور اہم فرض ہے فوراً کسی سنی صحیح العقیدہ، صحیح القراۃ قابل الامامۃ کو امام بنانا ضروری ہے۔

(٣) دانستہ یا نادانستہ جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھیں ہیں سب کا اعادہ فرض ہے۔

(٤) ہرگز ہرگز نہ ہوگی۔

(٥) اگر بربنا شرع ناراض ہیں یعنی کوئی ایسا عیب امام میں پایا جا رہا ہے، جس کے باعث وہ لائق امامت نہیں رہتا یا اس کی وجہ سے تقلیل جماعت کا اندیشہ ہے اور دوسرے اس سے بہتر ہیں تو ضرور خود ہی برطرف ہو جانا ضروری ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں مدلل ومفصل ان مذکورہ مسائل کا بیان ملاحظہ کریں۔

واللہ اعلم بالصواب۔

١٤/٨/١٤١١

تراویح

بشرف ملاحظہ عالی جناب مفتی صاحب قبلہ مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ سرزمین اوبرا میں انتظامیہ کمیٹی زیر اہتمام مسجد، اسکول، مدرسہ، عیدگاہ، قبرستان نیز امام باڑا ہے جس کی نگرانی کمیٹی کے پندرہ ممبران کرتے ہیں رمضان المبارک کے مہینہ میں جامع مسجد میں تراویح ہوتی ہے گذشتہ کئی سالوں سے مسجد میں تراویح شروع ہونے سے چند منٹ قبل انتظامیہ کمیٹی کے نمائندے کھڑے ہوکر صف بصف گھوم گھوم کر یہ صدا لگاتے ہیں کہ جو حضرات امام صاحب کا نذرانہ لائے ہوں اسے جمع کردیں یہ سلسلہ ۲۷ رمضان المبارک تک جاری رہتا ہے الوداع جمعہ کے دن کثیر تعداد میں قصبہ اور دیہات کے مسلمان نماز ادا کرنے آتے ہیں اس دن کئی ٹولیاں جھولی لے کر صف بصف اعلان کرتے ہیں کہ امام صاحب کے لئے نذرانہ دیجئے ختم کلام پاک کے دن مسجد کے اندر بذریعہ مائک یہ اعلان ہوتا ہے کہ فلاں فلاں صاحب امام صاحب کے لئے اتنی رقم اور اتنے جوڑے کپڑے نذرانہ عطا کئے ہیں یہ سلسلہ مسجد میں کافی دیر تک رہتا ہے آخر میں ٹوٹل رقم مع کپڑے کے بذریعہ انتظامیہ کمیٹی اعلان کرتے ہوئے امام صاحب کے دست مبارک پر عطا کردیا جاتا ہے۔ بعدہ امام صاحب کھڑے ہوکر مائک سے عوام اور انتظامیہ کمیٹی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور لوگوں سے مصافحہ ومعانقہ کرتے ہیں۔

(۱) تراویح پڑھانے کا نذرانہ جائز ہے، یا ناجائز، یا حرام ہے؟

(۲) ایسے امام کے پیچھے نماز یا تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز یا تراویح ہوگی یا نہیں؟

(۳) کوئی مسلمان امام کے پیچھے تراویح پڑھنے کے عوض میں نذرانہ دیتا ہے یا

بذریعہ جھولی مسجد میں نذرانہ اکٹھا کرتا ہے اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ قرآن پاک، حدیث شریف اور مسلک اہل سنت وجماعت وبزرگان دین کے حکم کو مدنظر رکھتے ہوئے مدلل جواب جلد از جلد عنایت فرمائیں آپ کا بڑا کرم ہوگا۔

خدا حافظ، فقط والسلام

ایم۔ اے۔ صدیقی رفاقتی اشرفی مورخہ ۱۱/۱۰ اکتوبر ۱۹۹۸ء

۷۸۶/ ۹۲

الجواب: بعون الملك الوهاب: استفتاء میں مذکورہ صورتیں ناروا ہیں۔

فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم، ص ۱۵۹ ہے: ”اصل یہ ہے کہ طاعت وعبادات پر اجرت لینا دینا (سوائے تعلیم قرآن عظیم وعلوم دین واذان وامامت وغیرہا معدود چند اشیاء کہ جن پر اجارہ کرنا متاخرین نے بناچاری ومجبوری بنظر حال زمانہ جائز رکھا) مطلقاً حرام ہے اور تلاوت قرآن عظیم بغرض ایصال ثواب وذکر شریف میلاد پاک حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضرور منجملہ عبادات وطاعت ہیں تو ان پر اجارہ ضرور حرام ومحذور

كما حققه السيد المحقق محمد بن عابدين الشامي في رد المحتار على الدر المختار وله رحمه الله تعالى رسالة مستقلة في تحقيق المسئلة سماها شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهليل“

قال واطلع عليها محشي هذا الكتاب (يعني الدر) فقيه عصره ووحيد دهره السيد احمد الطحطاوي مفتي مصر سابقا فكتب عليها واثنى الثناء الجميل فالله يجزيه الاجر الجزيل وكتب عليها غيره من فقهاء العصر قلت وقد تشرف الفقير بمطالعتها فوجدته بحمد الله تعالى كفى وشفى وصفا ووفى فرحمنا الله واياه والمسلمين بعباده الذين اصطفى آمين.

اور اجارہ جس طرح صریح عقد زبان سے ہوتا ہے عرفاً شرط معروف ومعہود سے

بھی ہو جاتا ہے مثلاً پڑھنے پڑھوانے والوں نے زبان سے کچھ نہ کہا مگر جانتے ہیں کہ دینا ہوگا وہ سمجھ رہے ہیں کہ کچھ ملے گا انھوں نے اس طور پر پڑھا انھوں نے اس نیت سے پڑھوایا اجارہ ہو گیا اور اب دو وجہ سے حرام ہوا۔ ایک تو طاعت پر اجارہ یہ خود حرام دوسرے اجرت اگر عرفاً معین نہیں تو اس کی جہالت سے اجارہ فاسدہ، دوسرا حرام ۔ "ای ان الاجارۃ باطلۃ و علی فرض الانعقاد فاسدۃ فلتحریم وجہان متعاقبان وذلک لما نصوا قاطبۃ ان المعہود عرفاً کالمشروط لفظاً" پس اگر قرارداد کچھ نہ ہو نہ وہاں لین دین معہود ہوتا ہو تو بعد کو بطور صلہ و حسن سلوک کچھ دے دینا جائز بلکہ حسن ہوتا ۔ "ھل جزاء الاحسان الا الاحسان. و اللہ یحب المحسنین" مگر جب کہ اس طریقہ کا وہاں عام رواج ہے تو صورت ثانیہ میں داخل ہو کر حرام محض ہے اب اس کے حلال ہونے کے دو طریقے ہیں اول یہ کہ قبل قرأت پڑھنے والے صراحۃً کہہ دے کہ ہم کچھ نہ لیں گے پڑھوانے والے صاف انکار کر دے کہ تمہیں کچھ نہ دیا جائے گا اس شرط کے بعد وہ پڑھیں اور پھر پڑھوانے والے بطور صلہ جو چاہیں دیدیں یہ لینا دینا حلال ہوگا۔ "لانتفاء الاجارۃ بوجھیھا اما اللفظ فظاھر و اما العرف فلانھم نصوا علی نفیھا و الصریح یفوق الدلالۃ فلم یعارضہ العرف المعہود کما نص علیہ الامام فقیہ النفس قاضیخان رحمہ اللہ تعالی فی الخانیۃ وغیرہ فی غیرھا من السادۃ الربانیۃ" دوم پڑھوانے والے پڑھنے والوں سے بہ تعیین وقت و اجرت ان سے مطلق کار خدمت پر پڑھنے والوں کو اجارے میں لے لیں۔ مثلاً یہ ان سے کہیں ہم نے کل صبح سات بجے سے بارہ بجے تک بعوض ایک روپیہ کے اپنے کام کاج کے لئے اجارہ میں لیا وہ کہیں ہم نے قبول کیا اب یہ پڑھنے والے اتنے گھنٹوں کے لئے ان کے نوکر ہو گئے وہ جو کام چاہیں لیں اس اجارہ کے بعد وہ ان سے کہیں اتنے پارے کلام اللہ شریف کے پڑھ کر ثواب فلاں فلاں کو بخش دو یا مجلس میلاد مبارک

پڑھ دو یہ جائز ہوگا اور لینا دینا حلال ۔"لان الاجارۃ وقعت علی منافع ابدانھم لاعلی الطاعات والعبادات واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔"

اسی میں ج ۸ ص ۱۶۳ پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

فی الواقع اخذ اجرت بر تعلیم قرآن عظیم و دیگر علوم و اذان و امامت جائز ست علی ما افتی بہ الائمۃ المتأخرون نظراً الی الزمان حفظاً علی شعائر الدین و الایمان و بر بقیہ طاعات مثل زیارت قبور و سیپارہ خوانی برائے اموات و قرأت میلاد پاک سید الکائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات والتحیات بر اصل منع باقی است و المعہود عرفاً کالمشروط لفظاً پس اگر قرارداد اجرت کنند یا بحسب عرف معلوم باشد ایناں برائے گرفتن می خوانند و آناں برائے خواندن می دہند اگر ایناں نہ خوانند آناں نہ دہند و اگر آناں نہ دہند ایناں نہ خوانند گرفتن و دادن ہر دو روا نیست الاخذ و المعطی آثمان اگر نہ چناں باشد بلکہ ایناں لوجہ اللہ تعالی می خوانند و روئے چیزے بدل بدل ہم نہ خواہند تا آنکہ اگر یقیناً دانند کہ چیزے نیابند نیز بخوانند آنگاہ بے قرارداد لفظی و عرفی چیزے خدمت ایشاں کردہ شود مضائقہ نیست آنجاہاں در جائے کہ گرفتن و دادن معہود بہ عرف شدہ است اگر خوانندگان پیش از خواندن صراحۃً شرط کنند کہ ما را ہیچ نہ دہند بعدہ دہندگان خدمت از پیش خویش کنند نیز رواست لان الصریح یفوق الدلالۃ کما فی الفتاوی امام قاضیخان و اگر خواہند کہ شرط کنند و حلال باشد صورتش آنست کہ حافظان و قاریان را برائے وقت معین مثلاً روز فلانے از ہفتہ ساعت صبح تا دو ساعت برائے کار و خدمت خویش بر اجرت معینہ ہر چہ بر آن تراضی طرفین شود اجیر کنند بر قدر آن ساعات ایناں نوکر شدند و تسلیم نفس بر ایناں واجب شد مستاجر ایں را می رسد کہ ہر خدمت کہ خواہند فرمایند از انجملہ کہ میلاد مبارک بخوانند یا قرآن عظیم خواندہ ثواب فلاں مسلمان رسانند ایں روا باشد و دادن واجب و گرفتن حلال زیرا کہ حالا اجارہ بر منافع نفس ایناں واقع شدنہ بر طاعات ۔ و اللہ تعالی اعلم انتہی۔

اور بہار شریعت حصہ چہارم ص ۳۵ پر ہے، صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"آج کل اکثر رواج ہو گیا ہے کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں یہ ناجائز ہے دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہیں اجرت صرف یہی نہیں کہ پیشتر مقرر کر لیں کہ یہ لیں گے یہ دیں گے بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ اس سے طے نہ ہوا یہ بھی ناجائز ہے کہ المعروف کالمشروط ہاں اگر کہہ دے کہ کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا پھر پڑھے اور حافظ کی خدمت کریں تو حرج نہیں۔ الصریح یفوق الدلالہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲) ایسے امام کے پیچھے نماز ممنوع پڑھ لیا تو واجب الاعادہ۔

(۳) ناجائز و حرام۔ واللہ اعلم بالصواب

برکات المفاتیح فی رکعات التراویح

رکعات تراویح کی تحقیق

کیا فرماتے علمائے دین و مفتیان شرع متین تراویح کے متعلق کہ وہ بیس ہیں یا آٹھ مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور دیگر عام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین و فقہائے عاملین و علمائے صالحین کے اقوال و اعمال تراویح کے سلسلہ میں کیا ہیں؟ فوراً جواب عطا فرمائیں، یہاں سخت اختلاف ہے کتابوں کا حوالہ ضروری ہے تاکہ فتنہ رفع دفع ہو۔ بینوا توجروا۔

۲۸ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

۹۲ / ۷۸۶

الجواب: بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب واليه المرجع والمآب: تراویح بیس رکعت ہیں اور سنت مؤکدہ سنت عین ہیں اور

باجماعت سنت کفایہ اور بیس پر صحابہ کرام خلفائے راشدین مہدیین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ائمہ مجتہدین کا اجماع و فقہائے حنفیہ، شافعیہ، حنبلیہ، مالکیہ کا اتفاق آج بھی حرمین شریفین مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کی مساجد میں نماز تراویح بیس رکعت ہی ہوتی ہیں خاص حرم شریف مسجد حرام میں بیس رکعت ہی پڑھی جاتی ہیں۔ دلائل و براہین ملاحظہ ہوں:

مؤطا امام مالک ص ۴۰ پر ہے:

عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة۔"

ترجمہ: یزید ابن رومان سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان شریف میں ۲۳ رکعت پڑھتے تھے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں امام علامہ بدر الدین ابو محمد ابن احمد متوفی ۸۵۵ھ ج ۷، ص ۱۷۸ پر نقل فرماتے ہیں:

ان عددها عشرون ركعة وبه قال الشافعى واحمد ونقله القاضى عن جمهور العلماء وحكى ان الاسود بن يزيد كان يقوم باربعين ركعة و يوتر بسبع وعند مالك ستة وثلاثون ركعة غير الوتر واحتج على ذلك بعمل اهل المدينة و احتج اصحابنا و الشافعية و الحنابلة بما رواه البيهقى باسناد صحيح عن السائب بن يزيد الصحابى قال كانوا يقومون على عهد عمر رضى الله تعالىٰ عنه بعشرين ركعة و على عهد عثمان و على رضى الله تعالىٰ عنهما مثله و فى المغنى عن على انه امر رجلا ان يصلى بهم فى رمضان بعشرين ركعة قال وهذا كالاجماع فان قلت قال فى المؤطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس فى زمن عمر يقومون فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة (قلت) قال البيهقى و الثلاث هو الوتر ولم يدرك عمر فيكون منقطعاً والجواب عما قاله

مالك و ان اهل مكة كانوا يطوفون بين كل ترويحتين و يصلون ركعتى الطواف يطوفون بعد الترويحة الخامسة فاراد اهل المدينة مساواتهم فجعلوا مكان كل طواف اربع ركعات فزادوا ست عشرة ركعة وما كان عليه اصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم احق اولىٰ ان يتبع۔"

یعنی تراویح کی تعداد بیس رکعت ہیں اسی بیس رکعت کے قائل امام شافعی امام احمد رحمہما اللہ ہیں اور قاضی نے جمہور علماء سے یہی بیس ہی نقل فرمایا ہے اور حکایت کی گئی ہے کہ اسود بن یزید چالیس رکعت پڑھتے تھے اور وتر سات۔ اور امام مالک کے نزدیک وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں ہیں اور آپ نے دلیل پکڑی ہے اس پر اہل مدینہ منورہ کے عمل سے اور ہمارے اصحاب حنفیہ اور شافعیہ اور حنابلہ نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے جسے بیہقی نے اسناد صحیح کے ساتھ سائب ابن یزید صحابی سے روایت کی ہے اور امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اسی طرح امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دور خلافت میں تراویح کی نماز بیس ہی ہوتی تھی اور مغنی میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو ماہ رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے۔ فرمایا: "وهذا كالاجماع۔" پھر اگر اعتراض ہو کہ مؤطا میں یزید بن رومان سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تراویح تیئیس رکعت پڑھتے تھے تم بیس کہتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ تراویح بیس ہی پڑھتے تھے تین وتر پڑھتے تھے۔ قال البيهقى والثلاث هو الوتر۔ اور جواب اس اعتراض کا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھتیس رکعتیں ہیں یہ ہے کہ اہل مکہ ہر دو ترویحہ کے درمیان یعنی ہر چار رکعت پر طواف کرتے تھے اور طواف کی دو رکعت

پڑھتے تھے اور پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے تے تو اہل مدینہ نے اہل مکہ کی برابری چاہی تو ہر طواف کی جگہ چار رکعت پڑھنے لگے۔ تو بیس پر سولہ رکعتیں بڑھ گئیں اور جس پر اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اس کی پیروی احق و اولی اور وہ بیس ہے۔ انتهى بيان مذاهب الائمه فى صلاة التراويح و فى عدد ركعاتها۔

اور اسی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۱۲۶ پر ہے:

وحكاه الترمذى عن اكثر اهل العلم فانه روى عن عمر و على و غيرهما من الصحابة وهو قول اصحابنا الحنفية۔ "ترمذی نے اکثر اہل علم سے روایت کی ہے کہ بیس رکعت تراویح حضرت سیدنا عمر فاروق اور علی شیر خدا اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے اور یہی ہمارے اصحاب حنفیہ کا قول ہے۔

اسی شرح بخاری ج ۱۱ ص ۱۲۷ پر ہے:

و قال ابن عبد البر وروى الحارث بن عبد الرحمن بن ابى ذباب عن السائب بن يزيد قال كان القيام على عهد عمر بثلث و عشرين و ركعة قال ابن عبد البر هذا محمول على ان الثلاث للوتر۔"

ابن عبد البر نے فرمایا کہ حارث بن عبد الرحمن بن ابی ذباب نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں تیئیس رکعت کے ساتھ قیام ہوتا تھا ابن عبد البر نے فرمایا یہ محمول ہے اس پر کہ تین وتر کے لئے تھا۔

اسی میں اسی صفحہ پر ہے:

روى محمد بن نصر من رواية يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد انهم كانوا يقومون فى رمضان بعشرين ركعة فى زمان عمر بن

الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔"

محمد بن نصر نے روایت کی ہے کہ یزید بن خصیفہ کی روایت سے وسائب بن یزید سے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ماہ رمضان میں لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

اسی مذکورہ صفحہ پر ہے:

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ امر رجلا ان یصلی بہم رمضان بعشرین رکعۃ۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

اسی میں اسی صفحہ پر ہے:

عن عبد اللہ بن مسعود رواہ محمد بن نصر المروزی قال اخبرنا یحییٰ بن یحییٰ اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن یزید بن وہب قال (کان عبد اللہ بن مسعود یصلی لنا فی شہر رمضان)فینصرف و علیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔"

یزید بن وہب سے مروی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماہ رمضان کی رات میں ہمیں نماز پڑھاتے تھے۔ اعمش نے کہا کہ تراویح بیس رکعت پڑھاتے تھے اور وتر تین۔

اسی میں اسی صفحہ پر ہے:

واما القائلون بہ من التابعین فشعیر بن شکل و ابن ابی ملیکۃ و الحارث الھمدانی و عطا بن ابی رباح و ابو البختری و سعید بن ابی الحسن البصری اخو الحسن و عبد الرحمن ابن ابی بکر و عمران العبدی و قال ابن عبد البر و ہو قول جمہور العلماء و بہ قال الکوفیون و

الشافعی و اکثر الفقہاء و ہو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔"

تراویح بیس کے قائل تابعین میں سے شعیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث ہمدانی، عطا بن ابی رباح، ابو البختری، سعید بن ابی حسن بصری، اخو الحسن، عبد الرحمن ابن ابی بکر عمران عبدی ہیں اور ابن عبد البر نے فرمایا بیس رکعت ہی جمہور علماء کا قول ہے اور بیس ہی کے قائل فقہائے کوفہ ہیں اور بیس ہی ہے شافعی و اکثر دیگر فقہائے حنفیہ کے نزدیک۔ اور بیس ہی صحیح ہے۔ حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے کسی صحابی کا اس میں اختلاف نہیں۔

حاشیہ شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۱۷۲ پر ہے:

وقد جاء من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ و الوتر۔ اخرجہ ابن ابی شیبۃ قال الحافظ وحدیث ابن عباس ہذا ضعیف وقد عارضہ وحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا الذی اخرجہ محمد بن الحسن فی المؤطا و البخاری فی صحیحہ و قال ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا غیرہ علی احدیٰ عشرۃ رکعۃ مع کون عائشۃ اعلم بحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلاً من غیرہا قال العلامۃ القاری مجیباً عنہ و لایبعد ان بن عباس حصل لہ العلم من غیر طریق عائشۃ من سائر امہات المؤمنین قال وعلی کل تقدیر فالعمل بالحدیث الضعیف جائز عند الکل قال و یکفینا ما رواہ البیہقی فالمعروفۃ باسناد صحیح عن السائب بن یزید قال کنا نقوم زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ و الوتر وہذا کالاجماع من غیر منکر فی ہذا الاجماع و قد ورد علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین بعدی

ثم الظاهر من كلام بن عباس انه كان يصلى عشرين ركعة فى ليالى رمضان من اولها و كلام عائشة مشير الى صلاة التهجد كما بينته بقولها يصلى اربعاً۔ (الحديث)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماہ رمضان میں نماز تراویح بیس رکعت پڑھتے تھے اور وتر اخرجه ابن ابی شیبة حافظ نے کہا ابن عباس کی یہ حدیث ضعیف ہے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث اس کے معارض ہے جسے محمد ابن حسن نے موطا میں اور بخاری نے اپنے صحیح میں تخریج کی ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی ہے علاوہ اس کے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رات کی حالتیں دوسروں سے زیادہ جانتی ہیں اس کے جواب میں علامہ قاری نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیس کی تراویح کا علم دیگر ازواج مطہرات اور امہات المؤمنین سے حاصل کئے ہوں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نہیں۔ بہر تقدیر اس حدیث ضعیف پر عمل کرنا سبھوں کے نزدیک جائز ہے۔ فرمایا کہ ہمیں کافی ہے جسے بیہقی نے معرفہ میں اسناد صحیح کے ساتھ سائب ابن یزید سے روایت کی فرمایا کہ ہم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔ و هذا كالاجماع اس اجماع میں کسی کا انکار ثابت نہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرنا ہے پھر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام سے ظاہر ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان شریف کی ابتدائی راتوں میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کلام نماز تہجد کی طرف مشیر ہے جیسا کہ خود انھوں نے فرمایا کہ چار پڑھتے تھے۔ (الحدیث)

صحیح البخاری باب فضل من قام رمضان ج ۱ ص ۲۶۹ پر ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد القارى انه قال خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة فى رمضان الى المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون يصلى الرجل لنفسه و يصلى الرجل فيصلى بصلاته الرهط فقال عمر انى ارى لو جمعت هولاء على قارئ و احد لكان امثل ثم عزم فجمعهم على أبى ابن كعب ثم خرجت معه ليلة اخرى و الناس يصلون بصلاة قارئهم قال عمر نعمت البدعة هذه۔

حضرت عبد الرحمن صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ رمضان شریف کی ایک رات مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگ الگ الگ نماز پڑھ رہے ہیں کوئی تنہا پڑھ رہا ہے کوئی کچھ لوگوں کے ساتھ، یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا خیال ظاہر فرمایا کہ ان نمازیوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کردوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ چنانچہ ان سب کو حضرت ابی ابن کعب کی اقتدا میں جمع کردیا پھر دوسری شب آپ کے ساتھ مسجد گیا لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ اپنے امام کے پیچھے نماز تراویح پڑھ رہے تھے یہ دیکھ کر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔

اور اسی بخاری شریف میں اسی صفحہ پر ہے:

عن ابن شهاب اخبرنى عروة ان عائشة اخبرته ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج ليلة من جوف الليل فصلى فى المسجد و صلى رجال بصلاته فاصبح الناس فتحدثو فاجتمع اكثر منهم فصلى فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثو فكثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فصلوا بصلاته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتى خرج لصلاة الصبح فلما قضى الفجر اقبل على الناس فتشهد ثم قال اما بعد!

فانه لم يخف علی مكانكم و لكنی خشيت ان تفترض عليكم فتعجزوا عنها فتوفی رسول الله صلی الله عليه وسلم والامر علی ذلك.

سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماہ رمضان المبارک میں ایک رات آدھی رات کو نکلے یعنی مسجد تشریف لے گئے اور صحابہ کرام کو مسجد کے اندر تراویح کی نماز پڑھائی صبح کو لوگوں میں چرچا ہوا دوسرے دن اور زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کی پھر صبح کو اس کا چرچا ہوا تو تیسری رات مسجد کے نمازی اور زیادہ ہو گئے پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی جب چوتھی رات ہوئی تو نمازیوں سے مسجد تنگ ہوگئی اس رات سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز کو ہی نکلے تو جب فجر کی نماز ادا کر لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے تشہد پڑھ کر فرمایا۔ اما بعد تمہاری موجودگی مجھ سے مخفی نہیں تھی مگر مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں (تراویح) تم پر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کی ادائے گی سے عاجز آ جاؤ اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال شریف تک معاملہ (تراویح) کا یونہی رہا۔

اور ان احادیث کے تحت فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۹۸ پر امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

لم يقع فی هذه الرواية عدد الركعات التی كان يصلی بها ابی بن كعب و قال اختلف فی ذلك. ففی (الموطا) عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد انها احدیٰ عشرة و رواه سعيد بن منصور من وجه آخر و زاد فيه او كانوا يقرؤن بالمآتين و يقومون علی العصی من طول القيام و رواه محمد بن نصر المروزی من طريق محمد بن اسحٰق عن محمد بن يوسف فقال ثلاث عشرة و رواه عبد الرزاق من وجه اخر عن محمد بن يوسف فقال احدی و عشرين و روی مالك من طريق يزيد بن

خصيفة عن السائب بن يزيد عشرين ركعة و هذا محمول علی غير الوتر و عن يزيد بن رومان قال (كان الناس يقومون فی زمان عمر بثلاث و عشرين) و روی محمد بن نصر من طريق عطاء قال (ادركتهم فی رمضان يصلون عشرين ركعة و ثلاث ركعات الوتر) و الجمع بين هذه الروايات ممكن باختلاف الاحوال۔"

اس روایت میں رکعتوں کی تعداد مذکور نہیں کہ ابی بن کعب کتنی رکعتوں کے ساتھ امامت فرماتے تھے۔ تراویح کی تعداد میں اختلاف ہوا ہے۔ موطا میں سائب بن یزید گیارہ اور محمد بن یوسف سے تیرہ اور ایک دوسری سند سے انہیں سے اکیس مروی ہے۔ مالک نے یزید بن خصیفہ کی سند سے بروایت سائب بن یزید وتر کے علاوہ بیس رکعت اور یزید بن رومان سے مروی کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں لوگ تیئیس پڑھتے تھے۔ (اس میں تین وتر ہیں) اور محمد بن نصر نے روایت کی ہے بطریق عطاء کہ فرمایا میں نے رمضان شریف میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا اور تین رکعت وتر اور ان روایتوں میں تطبیق اختلاف احوال کے ساتھ ممکن ہے۔

اسی میں ص ۹۸ پر ہے:

"و عن الزعفرانی عن الشافعی رأيت الناس بالمدينة بستع و ثلاثين و بمكة بثلاث و عشرين"

حضرت زعفرانی امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو مدینہ منورہ میں ۳۹ رکعت اور مکہ مکرمہ میں ۲۳ رکعت پڑھتے دیکھا (یعنی وتر سمیت۔)

ارشاد الساری شرح صحیح البخاری لابی العباس شہاب الدین احمد قسطلانی ج ۴، ص ۶۵۷ میں ہے:

"ولم يذكر في هذا الحديث عدد الركعات التي كان يصلي بها أبي و المعروف و الذي عليه الجمهور انه عشرون ركعة بعشر تسليمات و ذلك خمس ترويحات كل ترويحة اربع ركعات بتسليمتين غير الوتر وهو ثلاث ركعات في سنن البيهقي باسناد صحيح كما قال ابن العراقي في شرح التقريب عن السائب ابن يزيد رضي الله تعالى عنه قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة۔" وروى مالك في المؤطا عن زيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر رضي الله تعالى عنه ثلاث و عشرين وفي رواية باحدى عشرة و جمع البيهقي بينهما بانه كانوا يقومون باحدى عشرة ثم قاموا بعشرين واوتروا بثلاث وقد عدوا ما وقع في زمن عمر رضي الله عنه كالاجماع في مصنف ابن ابي شيبة وفي سنن البيهقي عن ابن عباس رضي الله عنهما قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في رمضان في غير جماعة بعشرين ركعة و الوتر لكن ضعفه البيهقي وغيره برواية ابي شيبة جد ابن ابي شيبة۔"

اس حدیث شریف میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتنی رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔ مگر جو مشہور ہے اور جس پر علمائے جمہور فقہائے محدثین ہیں وہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعت ہیں۔ اور ترویحہ پانچ اور ہر ترویحہ چار رکعت دو سلاموں کے ساتھ ہو وتر الگ تین رکعت ہیں اور سنن بیہقی میں اسناد صحیح کے ساتھ جیسا کہ ابن العراقی نے شرح تقریب کے اندر سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ لوگ عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ اور حضرت امام مالک نے موطا میں یزید بن رومان سے روایت کی کہ فرمایا لوگ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

زمانے میں تیئیس رکعت پڑھتے تھے اور ایک روایت میں ہے گیارہ رکعت۔ بیہقی نے اس کے درمیان تطبیق دی کہ پڑھتے تھے گیارہ رکعات، پھر بیس اور وتر تین۔ جو بھی تراویح کے سلسلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا جماعت کا اہتمام بیس کی تعیین محدثین وفقہا نے اسے کالاجماع شمار کیا۔ مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا ابن عباس نے کہ رمضان شریف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا جماعت بیس رکعت پڑھتے تھے۔ "لکن ضعفه البيهقي وغيره برواية ابي شيبة جد ابن ابي شيبة۔"

اور اسی میں ج ۴، ص ۶۵۸ پر ہے:

وفي مصنف ابن ابي شيبة عن داؤد بن قيس قال ادركت الناس بالمدينة في زمن عمر بن عبد العزيز و ابان بن عثمان يصلون ستا و ثلاثين ركعة و يوترون بثلاث و انما فعل اهل المدينة هذا لانهم ارادوا مساوات اهل مكة فانهم كانوا يطوفون سبعا بين كل ترويحتين فجعل اهل المدينة مكان كل سبع اربع ركعات و قد حلى الولي بن العراقي ان والده الحافظ لما ولي امامة مسجد المدينة احيا سنتهم القديمة في ذلك مع مراعات ما عليه الاكثر و كان يصلي التراويح اول الليل بعشرين ركعة على المعتاد ثم يقوم آخر الليل في المسجد بست عشرة ركعة فيتم في الجماعة في شهر رمضان ختمتين و استمر على ذلك عمل اهل المدينة فهم عليه الى الآن فنسأل الله الكريم المنان ان يبلغنا صلاتها كذلك في ذلك المكان في عافية و امان استودعه تعالى ذلك ونعمة الاسلام۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں داؤد ابن قیس سے مروی ہے کہ ان کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اور ابان بن عثمان کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے اندر لوگوں کو ۳۶ رکعت

تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے دیکھا اہل مدینہ نے ایسا اس لئے کیا کہ ان کی برابری مکہ والوں سے ہو جائے کیونکہ مکہ والے ہر دو ترویحہ کے درمیان سات مرتبہ طواف کرتے تھے تو مدینہ والے ہر سات کی جگہ چار رکعت کو کر دیا اور ولی بن عراقی نے بیان کیا ہے کہ ان کے والد جب مدینہ منورہ کی مسجد کے امام بنائے گئے تو ان کی سنت قدیمہ کو اس میں زندہ کیا اس کی رعایت کرتے ہوئے جس پر اکثر حضرات تھے تو تراویح رات کے شروع میں عادت کے مطابق بیس رکعت پڑھتے تھے پھر رات کے اخیر میں مسجد کے اندر سولہ رکعت پڑھتے تھے تو ماہ رمضان میں با جماعت دو ختم کرتے تھے۔ مدینہ منورہ کے ساکنین کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا آج تک وہ لوگ اسی پر ہیں۔

اور ارشاد الساری کے اسی ص ۲۵۸ پر ہے:

وعن الشافعی ایضاً رواہ عنہ الزعفرانی رأیت الناس یقومون بالمدینۃ بتسع و ثلاثین و بمکۃ بثلاث و عشرین و لیس فی شئ ذلک ضیق اہ قال الحنابلۃ و التراویح عشرون ولا بأس بالزیادۃ نصاً ای عن الامام احمد۔

نیز شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے جسے زعفرانی نے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا ہے لوگوں کو مدینہ منورہ میں ۳۹ اور مکہ مکرمہ میں ۲۳ پڑھتے ہوئے اور اس میں کوئی حرج نہیں اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلدین کے علما نے فرمایا کہ تراویح بیس ہیں اور زیادہ میں حرج نہیں ہے۔ نصا ای عن الامام احمد۔

اور اسی میں ہے:

"قال و الاقتصار علی عشرین مع القرأۃ فیہا بما یقرؤن غیرہ فی ست و ثلاثین رکعۃ افضل لفضل طول القیام علی کثرۃ الرکوع و السجود۔"

یعنی حلیمی نے کہا کہ بیس رکعت پر اتنی تلاوت کے ساتھ جتنی ۳۶ والی رکعت میں

تلاوت کرتے ہیں افضل ہے کیونکہ لمبے قیام کو کثرت رکوع و سجود پر فضیلت حاصل ہے۔

"ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا"۔ کے تحت بخاری شریف کے حاشیہ ص ۲۶۹ میں ہے:

"فی المرقاۃ اعلم انہ لم یوقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی التراویح عددا معینا بل لا یزید فی رمضان و لا فی غیرہ علی ثلاث عشرۃ رکعۃ لکن کان یطیل الرکعات فلما جمعہم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی ابی کان یصلی بہم عشرین رکعۃ ثم یوتر بثلاث و کان یخفف القرأۃ بقدر ما زاد من الرکعات و کان طائفۃ من السلف یقومون باربعین رکعۃ و یوترون بثلاث و اخرون بست و ثلاثین و اوتر بثلاث۔ ھذا کلہ حسن و اما ما روی ابن ابی شیبۃ و غیرہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف نعم ثبت العشرون فی زمن عمر ففی المؤطا کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب و فیہ روایۃ باحدی عشرۃ و جمع بینہما بانہ وقع اولا ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث انتہی ملتقطاً۔"

اور اسی بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۴ حاشیہ ۳ پر ہے:

قولہ ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان الخ و ما رواہ ابن ابی شیبۃ و الطبرانی و البیہقی من حدیث ابن عباس انہ علیہ الاسلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف مع مخالفۃ صحیح نعم ثبت العشرون من زمن عمر رضی اللہ عنہ فی المؤطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث و عشرین رکعۃ و فی المؤطا روایۃ باحدی عشرۃ و جمع

بینہما بأنہ وقع اولا ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث فتحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ السلام و ترکہ بعذر و افاد انہ لولا خشیۃ ذلک لواظبت بکم و لاشک فی تحقق الامر من ذلک بوفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فیکون سنۃ و کونہا عشرین سنۃ الخلفاء الراشدین و قولہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم سنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین ندب الی سنتہم کذا قالہ ابن الھمام۔

اور اسی بخاری شریف کے ج۱ص۲۶۹ حاشیہ ۱۴ پر ہے: "قولہ لم یخف علی مکانکم ای اجتماعکم و کونکم فی المسجد لکن المانع عن الخروج الیکم انی خشیت ان تفرض علیکم ای صلاۃ اللیل المسماۃ بالتراویح و من ھذا أخذ عمر رضی اللہ عنہ و أمر بادائہا لزوال خوف الفرضیۃ فی وقتہ مع ما علم من محبتہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاھا و قد قال علی رضی اللہ حین رأی الناس یصلون فی المساجد بعد ما أمر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بذلک نور اللہ مضجع عمر کما نور مساجد اللہ ۱۲ خیر جاری"

اور مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج۲، ص۱۷۵ پر رئیس المفسرین امام المحدثین علامہ علی بن سلطان محمد القاری علیہ رحمۃ الباری نقل فرماتے ہیں:

اعلم انہ لم یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح عددا معینا بل لایزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی ثلث عشرۃ رکعۃ لکن کان یطیل الرکعات فلما جمعہم عمر علی ابی کان یصلی بہم عشرین رکعۃ ثم یوتر بثلث و کان یخفف القرأۃ بقدر ما زاد من الرکعات لان ذلک اخف علی المأمومین من طویل الرکعۃ الواحدۃ

ثم کانت طائفۃ من السلف یقومون باربعین و یوترون بثلاث و آخرون بست وثلاثین واوتروا بثلاث وھذا کلہ حسن سائغ ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایزید ولا ینقص فقد اخطأ ذکرہ ابن تیمیۃ الحنبلی و روی البیہقی فی المعرفۃ عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ و الوتر قال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیح و فی الموطأ روایۃ باحدی عشرۃ جمع بینہما بانہ وقع اولا ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث فتحصل من ھذا کلہ انہ التراویح فی الاصل احدی عشر بالوتر فی جماعۃ فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ترکہ لعذر افاد انہ لاخشیۃ ذلک لواظبت بکم ولاشک فی تحقق الامن من ذلک بوفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فیکون سنۃ و کونہا عشرین سنۃ الخلفاء الراشدین و قولہ علیہ السلام علیکم سنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین ندب الی سنتہم فیکون العشرون مستحبا وظاھر کلام المشائخ ان السنۃ عشرون و مقتضی الدلیل ما قلنا وقال ابن حجر و قول بعض ائمتنا انہ صلی بالناس عشرین رکعۃ لعلہ اخذہ مما فی مصنف ابن ابی شیبۃ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر و مما رواہ البیہقی انہ صلی بہم عشرین رکعۃ بعشر تسلیمات لیلتین و لم یخرج فی الثالثۃ لکن الروایات ضعیفتان و فی صحیحی ابن خزیمۃ و ابن حبان انہ صلی بہم ثمان رکعات والوتر لکن اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔"

اور ترمذی شریف ج۱ص۱۶۶ پر ہے:

و اکثر اھل العلم علی ما روی عن علی و عمر و غیرھما من

اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ و ھو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا وبمکۃ یصلون۔"

اور اسی کی شرح میں باب ماجاء فی قیام شھر رمضان کے تحت اس کے ص ۱۶۶ پر ہے:

"لم یقل احد من الائمۃ الاربعۃ باقل من عشرین رکعۃ فی التراویح والیہ جمھور الصحابۃ رضوان اللہ علیھم وقال مالک بن انس بستۃ و ثلثین رکعۃ فان تعامل اھل المدینۃ انھم کانوا یرکعون اربعۃ رکعات انفرادا فی التراویح و اما اھل مکۃ فکانوا و یطوفون بالبیت فی الترویحات۔"

اور حاشیہ مؤطا امام محمد ص ۱۳۹ پر ہے:

"واما کون عمر اول من جمع الناس علی ابی کما ھو المعروف فھو لاینافی ذلک لان صلاۃ ابی مع الناس فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن من اھتمامہ لم یکن من امرہ و الاھتمام بہ و الاجماع علی امام واحد انما کان فی زمن عمر فھو اول من فعل ذلک وقد حققت المرام فی تحفۃ الاخیار ثم جمع الناس علی ابی فی عھد عمر انما کان للرجال واما للنساء فکان امام آخر کما اخرجہ سعید بن منصور من طریق عروۃ ان عمر جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بالرجال و کان تمیم الداری یصلی بالنساء سلیمان بن ابی حشمۃ قال ابن حجر لعل ذلک کان فی وقتین انتھی و علی ھذا یحمل اختلاف ما رواہ مالک عن السائب و ان عمر امر ابی بن کعب و تمیما ان یقوما باحدی عشرۃ رکعۃ مع ما رواہ ھو البیھقی ان عمر جمع الناس علی ثلث وعشرین رکعۃ مع

الوتر فیحمل ذلک علی ان الاقتصار علی الاول کان فی البدأ ثم استقر الامر علی عشرین ذکرہ ابن عبد البر۔"

اور اسی کتاب کے ص ۱۴۰، حاشیہ ۳ پر ہے:

"واخرج البیھقی عن السائب کانوا یقومون علی عھد عمر فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ واخرج عن عروۃ ان عمر اول من جمع الناس علی قیام رمضان الرجال علی أبی بن کعب والنساء علی سلیمان بن ابی حشمۃ زاد ابن سعد فلما کان عثمان جمع الرجال والنساء علی امام واحد سلیمان بن ابی حشمۃ واخرج البیھقی عن شبرمۃ وکان من اصحاب علی انہ کان یؤمھم فی رمضان فیصلی خمس ترویحات واخرج ایضاً انھم کانوا یقومون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان وعلی مثلہ واخرج ایضاً عن عرفجۃ کان علی یامر الناس بقیام رمضان ویجعل للرجال اماما وللنساء اماما قال عرفجۃ فکنت انا امام النساء وعن ابی عبد الرحمن السلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا بان یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر بھم وروی عن علی انہ قال نور اللہ قبر عمر کما نور مساجدنا۔ ذکرہ ابن تیمیۃ وفی الباب آثار کثیرۃ فان قلت قد روی الطحاوی وغیرہ تخلف ابن عمر و عروۃ وجماعۃ من التابعین عن صلوۃ الجماعۃ فی لیالی رمضان فکیف یصح قول محمد لان المسلمین اجمعوا علی ذلک قلت تخلفھم لانھم کانوا یرون الصلوۃ فی البیوت اوفی آخر اللیل افضل لکن لم ینقل عن احد منھم انھم انکروا علی اجتماعھم علی امام واحد فی المسجد۔"

اور اشعۃ اللمعات ج ا ص ۵۴۴ پر ہے:

وصحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزارد ہماں نماز تہجد بود کہ

یازدہ رکعت باشد وابن ابی شیبہ از ابن عباس روایت آوردہ کہ آنچہ آنحضرت گزارد بست رکعت بود ونیز بعد از آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تا خلافت عمر رضی اللہ عنہ حال ہمبر آن نہج بود کہ ہر کسے برائے خود در خانہ یا مسجد گزارد وچوں صدرے از خلافت عمر گذشت مردم را جمع کرد چنانکہ در احادیث بیاید واہل مدینہ مطہرہ بر بست رکعت شانزدہ رکعت دیگر می گزارند اہل مدینہ چوں ازیں فضیلت دور افتادند در بدل آن چہار رکعت افزودند والآن نیز دریں مقام شریف متعارف ست وآن را ستہ عشریہ میگویند ودر آخر شب بعد از گزاردن تراویح کہ در اول شب می گزارند از خانہ با بری آیند وی گزارند۔"

اور اسی میں ج ا ص ۷ ۴ ۵ پر ہے:

"عن السائب بن یزید قال امر عمر أبی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس فی رمضان باحدی عشرۃ رکعۃ۔" امر کرد عمر ابی بن کعب وتمیم داری را کہ وے نیز از مشاہیر صحابہ است واول نصرانی بود مسلمان شد کہ قیام نمایند ایں ہر دو صحابی برائے مردم در رمضان بیازدہ رکعت چنانکہ آن حضرت نیز بیازدہ رکعت کہ عادت وے در تہجد بود وقیام می نمود وگفتہ اند کہ ایں روایت وہم است زیرا کہ بصحت رسیدہ است کہ قیام می کردند در عہد عمر بہ بست رکعت و جواب دادہ اند کہ سند ایں حدیث صحیح ست وتواند کہ در بعض اوقات گاہے بست می کردہ باشد وگاہ یازدہ وبعضی گفتہ اند کہ در بعض لیالی قصد تشبہ با آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم می کردہ باشد وبعد از ان قرار بہ عشرین یافتہ باشد چنانکہ از آنحضرت ہم روایتے ہست و روایت بست وسہ کہ آمدہ است باعتبار سہ رکعت وتر است۔"

اور احادیث الصیام مولف دکتور الحسنی عبد المجید حاشم الامین العام لمجمع البحوث الاسلامیۃ بالازہر مصر القاہرۃ ص ۷ ۴:

"عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر فی

رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ اخرجہ المؤطا۔"

اور اسی میں ص ۸ ۴ پر ہے:

وعن ابن عباس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وفیہ ابوشیبۃ ابراھیم۔"

ان احادیث کریمہ کے متون وشروح سے ثابت ہوا کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں لوگ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے عثمان غنی اور علی شیر خدا رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد میں بیس رکعت صحابہ اور غیر صحابہ پڑھتے رہے۔ اور بیس رکعت پر خلفائے راشدین اور تمام صحابہ کا اجماع ہوا اور بیس رکعت تراویح پر جمہور علماء، فقہاء، صلحا، محدثین عام مومنین مسلمین کا عمل رہا۔ حرمین شریفین میں بیس رکعت تراویح اب تک پڑھی جاتی ہیں ان مذکرہ کتب معتبرہ اور احادیث صحیحہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل تراویح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے اور بیس رکعت پڑھنا، ہمیشہ پڑھنا سنت صحابہ، سنت تابعین، ائمہ، مجتہدین اور فقہائے دین متین ہے۔ حنفیہ شافعیہ حنبلیہ، مالکیہ کا عمل بیس پر ہے۔ اہل مکہ مکرمہ اور اہل مدینہ منورہ زادہما اللہ شرفا وتکریما کا عمل بیس پر رہا ہے اور اہل مدینہ نے بیس پر جو زائد سولہ پڑھی ہیں۔ وہ دراصل نفل ہیں اور اہل مکہ کی مساوات کے لیے ہے کہ وہ ہر چار رکعت پر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے اہل مدینہ نے طواف کے بدلے چار چار رکعتیں نفل پڑھیں کہ وہاں طواف نہیں کر سکتے تھے اور وہ روایت کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا اس روایت میں سخت اضطراب ہے۔ موطا امام مالک کی روایت میں اس حدیث کے راوی محمد بن یوسف سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں اور محمد ابن نصر مروزی نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبد الرزاق نے انہیں سے اکیس رکعتیں

نقل کیں۔ کما مر عن فتح الباری فی شرح البخاری جلد چہارم ص ۲۹۸ مضطرب حدیثیں لائق اعتبار نہیں ہوتیں۔ ابن عبدالبر نے فرمایا یہ روایت وہم ہے صحیح یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو بیس رکعت کا حکم دیا۔ یہ ہوسکتا ہے اولاً مع وتر گیارہ پڑھی، پھر تیرہ پھر بیس تراویح پر تمام صحابہ کا اتفاق ہوگیا جیسا کہ لمعات میں گذرا۔

اور مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۷۴ پر ہے:

(باحدی عشرة رکعة) ای فی اول الامر لما قال ابن عبد البر هذه الرواية وهم والذی صح انهم كانوا يقومون علی عهد عمر بعشرين ركعة واعترض بان ذلك السند صحيح ايضاً ويجاب بانه لعلهم فی بعض الليالی قصدوا التشبيه به صلی الله عليه وسلم فانه صح عنه انه صلی بهم ثمانی ركعات والوتر وان كان الذی استقر عليه امرهم العشرين ورواية ثلاث وعشرين حسب رواية الثلاثة الوتر فانه جاء انهم كانوا يوترون بثلاث وهذا يدل علی ان الوتر ثلاث علی ما تقرر عليه آخر الامر وانه غير داخل فی صلاة الليل۔"

اسی مرقاۃ میں یہ بیان گذر چکا ہے کہ بیس پر صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا اور مؤطا شریف میں گیارہ رکعت کا بھی ذکر ہے ان دونوں روایت کو اس طرح جمع کیا گیا کہ عہد فاروقی میں پہلے گیارہ کا حکم ہوا پھر بیس رکعت پر تراویح کا معاملہ ہمیشہ کے لیے طے پاگیا اور یہی صحابہ کرام کا مقبول اور تمام مسلمانوں کا معمول۔ اور بیس سے کم والی ساری روایتیں منسوخ ومتروک اور بیس سے زائد ۲۲، یا ۳۶، یا ۴۰ ہر سب نقل اور نفلوں کی مثنی نہیں۔ کما فی ارشاد الساری۔ اور وہ روایت جو بخاری شریف میں ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان شریف میں کتنی نماز پڑھتے تھے؟ تو جواب میں فرمایا: "ما كان يزيد فی رمضان ولا فی غيره علی احدی عشرة ركعة (الحديث)"۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

رمضان شریف اور غیر رمضان میں گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر کہ سیدہ تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا کیوں کہ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوائے وتر کے بیس رکعت پڑھتے تھے۔ اس حدیث کے اسناد میں (ابوشیبہ ابراہیم ابن عثمان عیسیٰ کوفی، قاضی واسطہ جد ابی بکر شیبہ) غیر ثقہ راوی ہے مگر امام اعظم اس سے بہت پہلے ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کو اگر ملی تو صحیح ہو کر ملی اور بعد والے کا ضعف پہلے والے کو مضر نہیں اور بیس تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا نہ فقط فعل امیر المومنین اور علمائے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بلکہ ارشادات سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے:

"عليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ. رواه احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجه عن العرباض بن سارية رضی الله تعالی عنه" کہ میری سنت کا اتباع اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کا دانتوں سے مضبوط پکڑو۔ اور فرمایا: "اقتدوا بالذين من بعدی من اصحابی ابی بكر وعمر" "پیروی کرو میرے اصحاب سے ابوبکر وعمر کی جو میرے بعد خلیفہ ہوں گے رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والسرویانی عن حذیفہ ابن الیمان وابن عدی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ تھے کتب احادیث کریمہ معتبرہ مشہورہ متداولہ اور ان کے مشہور ومعروف شروح سے براہین ساطعہ ودلائل قاطعہ۔ والحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام علی سيد المرسلين وآله اجمعين والله يهدی من يشاء علی سبيل المؤمنين.

بیس رکعت تراویح فقہا کی نظر میں

اب کتب فقہ واقوال فقہاء سے آنکھیں نورانی اور قلوب کو روشن ومنور کریں
ملاحظہ ہو، واللہ الموفق وبہ الھدایۃ۔

نورالایضاح تصنیف حسن الوفائی شرنبلالی ص۹۹ پر ہے:

"التراویح سنۃ للرجال والنساء وصلاتھا بالجماعۃ سنۃ کفایۃ وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات۔"

تراویح مرد وعورت دونوں کے لیے سنت ہے اور اس کی نماز باجماعت سنت کفایہ وہ بیس رکعت ہیں دس سلاموں کے ساتھ۔

اور اس کی شرح مراقی الفلاح ص ۳۳۶ پر ہے:

"وھی عشرون رکعۃ باجماع الصحابۃ رضی اللہ عنھم کما ھو المتوارث۔"

اور یہ بیس رکعت ہے جیسا کہ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع ہے۔ اور اس کے حاشیہ ۳۳۴ پر علامہ احمد بن محمد بن اسمٰعیل الطحطاوی الحنفی فرماتے ہیں:

"وانما ثبت العشرون بمواظبۃ الخلفاء الراشدین ما عدا الصدیق رضی اللہ عنھم ففی البخاری فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والامر علی ذلک فی خلافۃ ابی بکر وصدر من خلافۃ عمر حین جمعھم عمر علی أبی بن کعب فقام بھم فی رمضان فکان ذلک اول اجماع الناس علی قاری واحد فی رمضان کما فی فتح الباری۔ وبالجماعۃ فھی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنھا لنا وندبنا الیھا وکیف لا وقد قال ﷺ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی عضوا علیھا بالنواجذ۔ وروی ابونعیم من حدیث عروفجۃ الکندی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ستحدث بعدی

اشیاء احبھا الی ان تلزموا اما احدث عمر۔ وفی البحر عن الخلاصۃ اختلف المشائخ فی کونھا سنۃ یعنی او مستحبۃ قال وانقطع الخلاف بروایۃ الحسن عن الامام انھا سنۃ اہ وقد ذکر الاصولیون ان السنۃ ما فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او واحد من الصحابۃ۔"

اور اسی کے ص ۳۳۵ پر ہے:

"فقد صرح فی کثیر من المتداولات بانھا سنۃ عمر یعنی بالنظر لکونھا عشرین رکعۃ وللمواظبۃ علیھا وذلک لا یمنع کونھا سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایضا لما ذکرنا اہ۔"

اور صاحب قدوری علامہ ابوالحسن بن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی متوفی ۳۶۳/ ۴۲۸ھ اپنی کتاب مستطاب میں ص ۳۹ پر فرماتے ہیں:

"فیصلی بھم امامھم خمس ترویحات" کہ امام حاضرین کو پانچ ترویحہ پڑھائیں۔

اس کے حاشیہ پر ہے:

"قولہ خمس ترویحات جمع ترویحۃ وھو اسم لاربع رکعات فتکون عشرین رکعۃ وھی سنۃ علی الاصح لما روی عن علی بن طالب انہ امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ اخرجہ البیھقی وروی ابن ابی شیبۃ ان علیا امر رجلا یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ وصلاھا عمر ووافقہ کل من الاصحاب وامروا بذلک بلا نکیر من احد وقد اثنی علی کرم اللہ وجھہ علی عمر رضی اللہ عنہ قال نور اللہ لک یا ابن الخطاب فی قبرک کما نورت مساجد اللہ بالقرآن وروی البیھقی من طریق السائب بن یزید کنا نقوم فی زمن عمر رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ والوتر وقول الصحابی وفعلہ سنۃ کما قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین وقال فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر وقال فی حقھم جمیعا اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم وقال مالک فی المؤطا عن یزید بن رومان کان الناس یقومون فی زمن عمر فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ ای مع الوتر وبہ قال سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی ھکذا ادرکت ببلدنا مکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔"

ترجمہ: ترویحات جمع ترویحہ کی ہے اور ترویحہ چار رکعت کو کہتے ہیں تو پانچ ترویحہ بیس رکعت ہو جائیں گے اور یہ علی الاصح سنت ہے جیسا کہ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا۔ اخرجہ البیہقی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھانے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس پڑھی اور سارے صحابی نے آپ کی موافقت کی اور اس کا حکم کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف بیان کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی قبر کو آپ کے واسطے اے ابن خطاب! قبرہٗ نور بنا دے، جس طرح آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی مسجدوں کو قرآن شریف سے منور ومجلی فرمایا۔ اور بیہقی نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ ہم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور وتر۔ صحابی کا قول وفعل سنت ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاے راشدین کی سنت کے مطابق عمل کرنا اور ارشاد فرمایا میرے بعد والے ابوبکر وعمر کی پیروی کرتے رہنا اور ارشاد فرمایا تمام صحابہ کے بارے میں کہ میرے تمام اصحاب ستاروں کے مثل ہیں جن کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پر رہو گے۔ امام مالک نے مؤطا میں یزید بن رومان

سے روایت کی کہ لوگ عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورہ خلافت میں تیئیس (۲۳) رکعت وتر کے ساتھ پڑھتے تھے یہی سفیان ثوری اور ابن مبارک اور شافعی رحمہم اللہ نے فرمایا۔ اور شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ایسے ہی ہم نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔

شرح وقایہ ج ا ص ۱۷۵ پر ہے: "سن التراویح عشرون رکعۃ"
تراویح بیس رکعت مسنون ہے۔

اسی میں ہے: "وانما کانت التراویح سنۃ لانہ واظب علیھا الخلفاء الراشدون والنبی علیہ السلام بین العذر فی ترک المواظبۃ وھو مخافۃ ان تکتب علینا۔"

تراویح سنت ہے اس لئے کہ اس پر خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی ہے۔ اور ترک مواظبت پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عذر بیان فرمایا کہ مواظبت کرنے سے تراویح کے فرض ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

اور اس کے حاشیہ پر ہے: "ثبت اھتمام الصحابۃ علی عشرین فی عھد عمر وعثمان وعلی فمن بعدھم اخرجہ مالک وابن سعد والبیھقی وغیرھم وما واظبت علیہ الخلفاء فعلا وتشریعا ایضاً سنۃ لحدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اخرجہ ابوداؤد وغیرہ۔"

صحابہ کرام بیس پر عمر فاروق عثمان غنی اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر ان کے بعد کے حضرات نے اہتمام فرمایا اور جس پر خلفا فعلاً یا تشریعاً ہمیشہ رہے وہ بھی سنت ہے، سرکار ﷺ کے فرمان کہ "تم پر میری اور میرے خلفا کی سنت کی پیروی ضروری ہے" کی وجہ سے۔

اسی میں ہے: "وروی عنہ استنان وھو الصحیح المختار عند اصحابہ ولا عبرۃ بمخالفۃ وکذا ادائہ بالجماعۃ سنۃ مؤکدۃ وکذا اعدوہ

ای عشرین رکعۃ۔"

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا مسنون ہونا مروی ہے اور یہی صحیح ہے اور آپ کے اصحاب کے نزدیک مختار ہے۔ مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں اسی طرح اس کا باجماعت ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اسی طرح اس کو بیس رکعت سنت شمار کیا ہے۔

کنز الدقائق میں ص ۴۲ پر ہے:

"وسن فی رمضان عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات۔"

اور اس کے تحت حاشیہ پر ہے: "قولہ سن ای للرجال والنساء جمیعاً باجماع الصحابۃ ومن بعدھم من الامۃ منکرھا مبتدع ضال مردود الشھادۃ کما فی المضمرات وقال علیہ الصلاۃ والسلام ان اللہ تعالیٰ سن لکم قیامہ وقال علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی وصلی مع الصحابۃ لیلتین اواربع لیالی کما فی البخاری بین العذر فی ترک المواظبۃ ھو خشیۃ ان تکتب علینا وصلوا بعدہ فرادی الی ایام عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم اقامھا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی زمانہ حیث امر ابی بن کعب ان یصلی بالناس والصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین ساعدوہ ووافقوہ امروا بذلک بلا نکیر من احد وقد اثنی علی کرم اللہ وجھہ علی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیث قال نور اللہ مضجع عمر کما نور مساجدنا وقیل ھی مستحبۃ والاول ھو الصحیح من المذھب یعنی القول بالسنۃ۔ انتہی مجمع الانھر۔"

یعنی نماز تراویح مرد اور عورتوں دونوں کے لیے مسنون ہے اس پر صحابہ اور امت کے سارے لوگوں کا اور جوان کے بعد ہے کا اجماع ہے۔ اس کا منکر بدعتی گمراہ، مردود الشہادۃ ہے۔ ایسا ہی مضمرات میں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے واسطے اس کے قیام کو یعنی تراویح پڑھنے کو سنت قرار دیا ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو یا چار رات صحابہ کے ساتھ تراویح پڑھی ہے جیسا کہ بخاری میں مذکور ہے اور ہمیشہ نہ پڑھنے کا عذر بیان فرمایا کہ اندیشہ تھا کہ ان پر فرض نہ ہو جائے اور اس کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شروع زمانہ تک لوگ تنہا تنہا پڑھتے رہے پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام فرمایا ابی ابن کعب کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو باجماعت نماز پڑھائیں۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے ان کی تائید فرمائی اور موافقت کی، بلا انکار کسی کے انہوں نے اس کا حکم کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس پر تعریف کی اس طرح فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ عمر کے خواب گاہ کو منور فرمائے جیسا کہ انہوں نے ہماری مسجدوں کو منور فرمایا اور کہا گیا ہے کہ یعنی تراویح مستحب ہے اور مذہب سے اول ہی صحیح ہے۔ یعنی سنیت کا قائل ہونا۔ (مجمع الانہر)

اور حاشیہ کنز الدقائق مطبع مجتبائی کے ص ۳۶ میں ہے: "والسر فی کونھا عشرین رکعۃ ان السنن شرعت مکملات للواجبات وھی مع الوتر عشرون رکعۃ فکانت التراویح کذالک وعند مالک ست وثلاثون رکعۃ استدلال بفعل اھل المدینۃ ولنا ما روی البیھقی باسناد صحیح انھم کانوا یقومون علی عھد عمر رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ وکذا علی عھد عثمان وعلی رضی اللہ عنھما فصار اجماعاً۔"

تراویح کے بیس رکعت ہونے میں راز یہ ہے کہ سنتیں شروع ہوئی ہیں واجبات کو مکمل کرنے کے لیے اور یہ وتر کے ساتھ بیس رکعت ہیں اسی وجہ سے تراویح بیس رکعات ہوئیں اور امام مالک کے نزدیک ۳۶ چھتیس رکعت ان کی دلیل اہل مدینہ کا

عمل ہے اور ہماری دلیل یہ ہے جو بیہقی نے اسنادِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اسی طرح حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں تو بیس پر سب کا اجماع ہو گیا۔

اور ہدایہ تالیف شیخ الاسلام برہان الدین ابی الحسن علی بن عبدالجلیل ابی بکر المرغینانی الاشدانی المتوفی ۵۹۳ھ ص ۱۳۰ پر ہے:

"فیصلی بھم اماھم خمس ترویحات۔" امام لوگوں کو پانچ ترویحہ پڑھائے۔

اسی میں ہے: "والاصح انہا سنۃ کما روی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ لانہ واظب علیہا الخلفاء الراشدون والنبی علیہ السلام بین العذر فی ترکہ المواظبۃ وھو خشیۃ ان تکتب علینا وسنۃ فیہا الجماعۃ لکن علی وجہ الکفایۃ۔"

اور اس کے حاشیہ پر ہے: "قولہ بین العذر الخ روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ من رمضان وصلی عشرین رکعۃ فلما کانت اللیلۃ الثانیۃ اجتمع الناس فخرج وصلی بھم عشرین رکعۃ فلما کانت اللیلۃ الثالثۃ کثر الناس فلم یخرج ثم قال عرفت اجتماعکم لکنی خشیت ان یکتب علیکم فکان الناس یصلون فرادی الی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقال انی اری ان اجمع الناس علی امام واحد فجمع بھم علی ابی بن کعب فصلی بھم خمس ترویحات عشرین رکعۃ ۱۲ ع۔"

اقول: رأیت ھذا الحدیث فی شرح العنایۃ علی الھدایۃ علی ج۱ ص۴۰۷ للامام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی المتوفی ۷۸۶ء وایضاً رأیتہ فی الکفایۃ علی الھدایۃ لمولانا جلال الدین الخوارزمی الکرمانی۔

اور فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۷ پر ہے:

"نعم ثبت العشرون من زمن عمر فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ وروی البیہقی فی المعرفۃ عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ والوتر قال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیح وفی الموطا روایۃ باحدی عشرۃ وجمع بینہما بانہ وقع اولاً ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث فتحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ترکہ لعذر افاد انہ لولا خشیۃ ذلک لواظبت بکم ولا شک فی تحقق الامن ذلک بوفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فیکون سنۃ وکونہا عشرین سنۃ الخلفاء الراشدین وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین ندب الی سنتہم۔"

اور کفایہ میں ص ۴۰۶ پر ہے:

"(فیصلی بھم امامھم خمس ترویحات) الاصل فیہ ما روی ان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خرج لیلۃ فی شہر رمضان فصلی بھم عشرین رکعۃ واجتمع الناس فی الثانیۃ فخرج فصلی بھم فلما کانت الثالثۃ کثر الناس فلم یخرج۔ وقال عرفت اجتماعکم لکنی خشیت ان یفترض علیکم فکان الناس یصلونہا فرادی الی ایام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ثم تقاعدوا عنہا فرأی ان یجمعہم علی امام واحد فجمعہم علی ابی بن کعب وکان یصلی بھم خمس ترویحات ویجلس

بین کل ترویحتین۔"

اور عنایہ ص ۴۰۷ پر ہے: "روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ من لیالی رمضان وصلی عشرین رکعۃ فلما کانت اللیلۃ الثانیۃ اجتمع الناس فخرج وصلی بھم عشرین رکعۃ ولما کانت اللیلۃ الثالثۃ کثر الناس فلم یخرج علیہ السلام وقال عرفت اجتماعکم لکنی خشیت ان تکتب علیکم فکان الناس یصلونھا فرادی الی زمن عمر رضی اللہ عنہ فقال عمر انی اری ان اجمع الناس علی امام واحد فجمعھم علی ابی بن کعب فصلی بھم خمس ترویحات عشرین رکعۃ انتھی۔"

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۱ ص ۲۸۸ پر ہے:

"واما قدرھا فعشرون رکعۃ وھذا قول عامۃ العلماء وقال مالك فی قول ستۃ وثلاثون رکعۃ وفی قول ستۃ وعشرون رکعۃ والصحیح قول العامۃ لما روی ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شھر رمضان علی ابی بن کعب فصلی بھم فی کل لیلۃ عشرین رکعۃ ولم ینکر علیہ احد فیکون اجماعاً منھم علی ذلك۔"

یعنی تراویح بیس رکعت ہے یہی جمہور علماء کا قول ہے اور امام مالک نے فرمایا ایک قول میں چھتیس رکعت اور ایک قول میں چھبیس رکعت۔ اور صحیح ارشادات عامہ علماء ہے جیسا کہ مروی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماہ رمضان المبارک میں ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھنے کے لیے جمع کیا تو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روزانہ رات کے وقت بیس رکعت تراویح پڑھاتے رہے اس پر کسی نے انکار نہ کیا تو بیس رکعت تراویح با جماعت ادا کرنے پر سارے صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ اھ

المختار تالیف الامام عبداللہ بن محمود مودود بن محمود ابو الفضل مجد الدین الموصلی ۱۹ محرم ۶۸۳ھ ص ۶۹ پر ہے:

"فیصلی بھم امامھم خمس ترویحات۔"

کہ امام پڑھائے لوگوں کو پانچ ترویحہ یعنی بیس رکعت۔

اس کی شرح الاختیار میں ہے:

"ھکذا صلی ابی بالصحابۃ وھو عادۃ اھل الحرمین۔" یعنی بیس رکعت تراویح با جماعت اس لیے پڑھتے ہیں کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اسی طرح بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور یہی حرمین شریفین کے باشندگان اہل اسلام کی عادت ہے۔

اسی میں یعنی الاختیار لتعلیل المختار میں ص ۶۸ پر ہے:

"التراویح سنۃ مؤکدۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقامھا فی بعض اللیالی وبین العذر فی ترك المواظبۃ وھو خشیۃ ان تکتب علینا وواظب علیھا الخلفاء الراشدون وجمیع المسلمین من زمن عمر بن الخطاب الی یومنا ھذا قال علیہ الصلوۃ السلام (ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن) وروی اسد بن عمر وعن ابی یوسف قال سألت ابا حنیفۃ عن التراویح وما فعلہ عمر فقال التراویح سنۃ مؤکدۃ ولم یتخرجہ عمر من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعا ولم یأمر بہ الا عن اصل لدیہ وعھد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ولقد سن عمر ھذا وجمع الناس علی ابی بن کعب فصلاھا جماعۃ والصحابۃ متوافرون منھم عثمان وعلی وابن مسعود والعباس وابنہ طلحۃ والزبیر ومعاذ وأبی وغیرھم من المھاجرین والانصار وما رد علیہ واحد منھم بل ساعدوہ ووافقوہ وامروا بذلك والسنۃ اقامتھا

بجماعة لكن على الكفاية۔"

تراویح سنت مؤکدہ ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض راتوں میں اس کی اقامت فرمائی اور ترک مواظبت پر عذر بیان فرمایا اور یہ کہ اندیشہ تھا کہ تم پر فرض کر دیا جائے اور خلفائے راشدین اور جمیع مسلمین نے زمانہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہمارے اس دن تک مواظبت فرمائی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جسے مسلمان کامل الایمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے اور اسد بن عمر نے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے روایت کی ہے امام ابو یوسف نے فرمایا کہ میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تراویح اور اس کے بارے میں دریافت کیا جو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف سے گڑھا نہیں اور نہ ان کی یہ نئی ایجاد ہے اور اس کا حکم دینا ضرور کسی ایسی اصل سے ہے جو ان کے پاس تھی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کے لیے کوئی عہد تھا بلاشبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سنت کو جاری کیا اور لوگوں کو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں نماز تراویح کے لیے جمع فرمایا تو انہوں نے ان کو باجماعت تراویح پڑھائی شریک جماعت بہت سے صحابہ ہوئے۔ ان میں سے حضرت عثمان غنی، حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود، حضرت عباس، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاذ، حضرت ابی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کے علاوہ مہاجرین وانصار سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شریک جماعت تھے۔ ان میں سے کسی نے اعتراض نہ کیا بلکہ انہوں نے ان کی تائید فرمائی اور موافقت کی اور اس کا حکم فرمایا اور تراویح کی اقامت باجماعت سنت علی الکفایہ ہے۔ اھ

درالمنتقی فی شرح الملتقی ج ا ص ۱۳۵ پر ہے:

"(فصلاة التراويح سنة مؤكدة) لمواظبة الخلفاء الراشدين

والنبی علیه الصلوٰة والسلام بين عذر عدم المواظبة فی كل ليلة من رمضان بعد العشاء قبل الوتر وبعد فی الاصح بجماعة عشرون ركعة بعشر تسليمات۔"

یعنی نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے کہ خلفاء راشدین نے اس پر مواظبت فرمائی ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ باجماعت نہ پڑھنے کا عذر بیان فرمایا ہے۔ اور یہ رمضان شریف کی ہر شب میں بعد عشاء قبل وتر یا بعد وتر صحیح تر مذہب میں باجماعت دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعت ہے۔

مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ج ا ص ۱۳۵ پر ہے:

"(سنة مؤكدة) للرجال والنساء جميعاً باجماع الصحابة ومن بعدهم من الامة منكرها مبتدع ضال مردود الشهادة كما فی المضمرات وقال عليه الصلوٰة والسلام (ان الله تعالىٰ سن لكم) قيامه وقال عليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی وصلى مع الصحابة ليلتين او اربع اليالی كما فی البخاری وبين العذر فی ترك المواظبة وهو خشية ان تكتب علينا وصلوا بعده فرادى الى ايام عمر بن الخطاب رضی الله تعالىٰ عنه ثم اقامها عمر رضی الله تعالىٰ عنه فی زمانه حيث امر ابی بن كعب ان يصلی بالناس والصحابة رضوان الله تعالىٰ عليهم اجمعين ساعدوه ووافقوه وامروا بذلك بلا نكير من احد وقد اثنى علی كرم الله وجهه على عمر رضی الله تعالىٰ عنه حيث قال نور الله مضجع عمر كما نور مساجدنا وقيل هی مستحبة والاول هو الصحيح من المذاهب يعنی القول بالسنة۔ اھ"

المیزان تالیف العارف الصمدانی والقطب الربانی سیدی عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۵۳ پر ہے:

ومن ذلك قول ابی حنیفة والشافعی واحمد ان صلاة التراویح فی شهر رمضان عشرون رکعة۔

کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة کے ص ۲۵۱ پر ہے:

"وقد اثبت سنتها جماعة بفعل النبی صلی الله علیه وسلم فقد روی الشیخان انه صلی الله علیه وسلم خرج من جوف اللیل لیالی من رمضان وهی ثلاث متفرقة لیلة الثالث والخامس والسابع والعشرین وصلی فی المسجد وصلی الناس بصلاته فیها وکان یصلی بهم ثمان رکعات ویکملون باقیها فی بیوتهم فکان یسمع لهم ازیز کازیز النحل.. ومن هذا تبین ان النبی صلی الله علیه وسلم سن لهم التراویح والجماعة فیها ولکنه لم یصل بهم عشرین رکعة کما جری علیه العمل من عهد الصحابة ومن بعدهم الی الآن." ولم یخرج الیهم بعد ذلك خشیة ان تفرض علیهم کما صرح به فی بعض الروایات ویتبین ایضاً ان عددها لیس قاصرا علی الثمان الرکعات التی صلاها بهم بدلیل انهم کانوا یکملونها فی بیوتهم وقد بین فعل عمر رضی الله تعالیٰ عنه ان عددها عشرون حیث انه جمع الناس اخیرا علی هذا العدد فی المسجد ووافقه الصحابة علی ذلك ولم یوجد لهم مخالف من بعدهم من الخلفاء الراشدین. وقد قال النبی صلی الله علیه وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ رواه ابوداؤد وقد سئل ابوحنیفة عما فعله عمر رضی الله تعالیٰ عنهما فقال التراویح سنة مؤکدة وله یتخرجه عمر من تلقاء نفسه ولم یکن فیه مبتدعا ولم یأمربه الا عن اصل لدیه وعهد من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم. نعم زید فیها فی عهد عمر بن

عبد العزیز رضی الله تعالیٰ عنه فجعلت ستا وثلاثین رکعةً ولکن کان القصد من هذه الزیادة مساواة اهل مکة فی الفضل لانهم کانوا یطوفون بالبیت بعد کل اربع رکعات مرة فرأی رضی الله تعالیٰ عنه ان یصلی بدل کل طواف اربع رکعات فهی عشرون رکعة سوی الوتر۔"

ترجمہ: اور اس کا مسنون ہونا باجماعت فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے شیخین نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان شریف کی راتوں میں سے چند رات آدھی رات کو نکلے اور وہ جداگانہ تین رات ہے تیسری، پانچویں، ساتویں، بیسویں اور مسجد میں پڑھی اور صحابہ کرام نے حضور کی نماز کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں آٹھ رکعت پڑھاتے رہے اور باقی ماندہ اپنے اپنے گھروں میں پورا کرتے تھے اور آواز ان کی سنائی دیتی تھی جیسے شہد کی مکھی کی اور اس سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے تراویح باجماعت مسجد میں مسنون فرمایا۔ لیکن انہیں بیس رکعت نہ پڑھائی جیسا کہ اس پر عہد صحابہ سے لے کر اب تک مسلمانوں میں عمل جاری ہے اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے بعد تراویح کو تشریف نہ لائے امت پر فرض ہو جانے کے اندیشہ سے۔ جیسا کہ بعض روایت میں اس کی صراحت آئی ہے۔ اور یہ بھی روشن ہوا کہ تراویح کی رکعتیں آٹھ ہی نہیں ہیں جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں پڑھایا اس دلیل سے کہ وہ اسے اپنے گھروں میں پورا کرتے تھے اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل نے بیان فرمادیا کہ تراویح کی نماز بیس رکعت ہیں اس چیز سے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اخیر میں مسجد کے اندر اس عدد پر جمع کیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بیس پر ان کی موافقت کی اور ان کی مخالفت ان لوگوں سے نہیں پائی گئی جو ان کے بعد خلفاء راشدین سے ہوئے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کے مطابق عمل کرنا لازم ہے ان کی سنت

کو چوہوں (دانتوں) سے پکڑو۔ روایت کیا ہے اس کو ابو داؤد نے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تو فرمایا تراویح سنت مؤکدہ ہے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنی جانب سے نہیں نکالا اور نہ اس میں کسی نئی بات کے ایجاد کرنے والے ہیں اور نہ اس کا حکم دیا مگر ایسی اصل سے جو ان کے پاس ہے اور ایسے عہد سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے انہیں ہوا۔ یہاں اس میں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اضافہ ہوا اور اسے چھتیس رکعتیں کر دی گئیں۔ لیکن اس اضافہ سے ارادہ مکہ مکرمہ والوں سے فضل میں مساوات کا تھا اس لیے کہ مکہ والے ہر چار رکعت کے بعد ایک مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے تو عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مناسب سمجھا کہ ہر طواف کے بدلے چار رکعت پڑھی جائے تو یہ سوائے وتر بیس ہی رکعت ہے۔ اھ

اس کے حاشیہ پر ہے:

"المالکیۃ قالوا عدد التراویح عشرون رکعۃ۔"

کتاب المبسوط تالیف امام الفقہا شمس الدین سرخسی ص ۱۴۴ پر ہے:

"فانها عشرون رکعة سوی الوتر عندنا وقال مالك رحمه الله تعالیٰ السنة فیها ستة وثلاثون قیل من اراد ان یعمل بقول مالك رحمه الله تعالیٰ ویسلك مسلکه ینبغی ان یفعل کما قال ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ یصلی عشرین رکعة کما هو السنة ویصلی الباقی فرادی کل بتسلیمتین اربع رکعات وهذا مذهبنا وقال الشافعی رحمه الله تعالیٰ لاباس باداء الکل جماعة کما قال مالك رحمه الله تعالیٰ بناء علی ان النوافل بجماعة مستحب عنده وهو مکروه عندنا. اھ"

یعنی بلاشبہ نماز تراویح کی بیس رکعت ہے وتر کے سوا ہمارے نزدیک امام مالک

رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تراویح میں سنت ۳۶ رکعت ہے۔ کہا گیا کہ جو شخص مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر عمل کرنا اور ان کے مسلک پر چلنا چاہے تو مناسب ہے کہ یوں عمل کرے جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بیس رکعت پڑھے جیسا کہ وہ سنت ہے اور باقی تنہا تنہا پڑھے ہر دو سلام پر چار رکعت پڑھے یہ ہمارا مذہب ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ پوری نماز با جماعت ادا کرنے میں حرج نہیں جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا بنا کرتے ہوئے کہ نوافل ان کے نزدیک با جماعت مستحب ہے اور ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۵ پر ہے:

(فصل فی التراویح) وهی خمس ترویحات کل ترویحة اربع رکعات بتسلیمتین کذا فی السراجیة۔"

یعنی تراویح پانچ ترویحہ ہیں اور ہر ترویحہ دو سلام کے ساتھ چار رکعتیں ہیں۔ (پورے بیس رکعت)

فتاویٰ قاضی خاں ج ۱ ص ۲۳۴ پر ہے:

"مقدار التراویح عند اصحابنا والشافعی رحمه الله تعالیٰ ما روی الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ قال القیام فی شهر رمضان سنة لاینبغی ترکها یصلی اهل کل مسجد فی مسجدهم کل لیلة سوی الوتر عشرین رکعة وقال مالك رحمه الله تعالیٰ ان یصلی ستة وثلاثین رکعة سوی الوتر لما روی عن عمر وعلی رضی الله تعالیٰ عنهما انهما کانا یصلیان ستا وثلاثین ولنا ما روی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه انهم قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی عشرین رکعة فی شهر رمضان ثم کان یوتر بثلاث بعدها خص رمضان بالذکر فالظاهر انه اراد به التراویح وهو المشهور من الصحابة والتابعین رضوان الله

عليهم اجمعين. ومارویٰ مالك رحمه الله تعالیٰ غيرشهر اوهومحمول على انهما كانا يصليان بين كل ترويحة اربع ركعات فرادیٰ كما هومذهب اهل المدينة."

اور فتاویٰ تاتارخانیہ ج ا ص ۶۵۳ پر ہے:

"قدصلاها رسول الله صلى الله عليه وسلم عشرين ركعة بعشر تسليمات ثم ترك مخافة ان يجب وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه حريص فى قيام الليل كان رجل منهم يصلى مائة ركعة او اكثرو كذا فى زمن ابى بكر فلما ظهر الكسل فى زمن عمر خاف ان يندرس فالصحابة اتفقوا على ان يصلى بجماعة وزينوا المساجد بالقناديل ولم يكن على رضى الله تعالى عنه حاضرا فلما حضر ورأى الجماعة والقناديل قال اقام الله امور عمر كما اقام سنة نبينا."

ترجمہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے بیس رکعت تراویح دس سلاموں کے ساتھ پڑھی ہے امت پر واجب ہونے کے اندیشہ سے ترک فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رات کے وقت نماز پڑھنے کے بڑے خواہش مند تھے بعض حضرات سو سو رکعت بلکہ اس سے زیادہ پڑھتے تھے ایسے ہی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں۔ پھر جب سستی سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ظاہر ہوئی تو خطرہ ہوا کہ رسم تراویح ختم نہ ہوجائے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے باجماعت نماز تراویح پڑھنے پر اتفاق کیا اور مسجدوں کو روشن قندیلوں کے ساتھ مزین کیا۔ اس وقت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر نہ تھے جب حاضر ہوئے اور جماعت وقندیلوں کو دیکھا تو دعا کی اللہ تبارک وتعالیٰ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سارے کام درست بنائے جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ کی سنت کو درست فرمایا۔

فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۷ ۴ پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ فرماتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بیس رکعت تراویح سنت عین ہیں کہ اگر کوئی شخص مرد یا عورت بلاعذر شرعی ترک کرے مبتلائے کراہت واسائت ہو اور ان کی جماعت کی مساجد میں اقامت سنت کفایہ۔

اسی میں ص ۷۶ ۴ پر ہے: "عدد ش نزد جمہور علما امت بست رکعت ست۔"

اسی میں ص ۸۲ ۴ پر ہے:

"سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین شب تراویح میں امامت فرما کر بخوف فرضیت ترک فرمادی تو اس وقت تک وہ سنت مؤکدہ نہ ہوئی تھی جب امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اجرا فرمایا اور عامۂ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پر مجتمع ہوئے اس وقت سے وہ سنت مؤکدہ ہوئی نہ فقط فعل امیر المؤمنین سے، بلکہ ارشادات سید المرسلین سے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اب ان کا تارک ضرور تارک سنت مؤکدہ ہے اور ترک کا عادی فاسق وعاصی واللہ تعالیٰ اعلم۔"

فتاویٰ امجدیہ ص ۲۳۵ پر تنویر الابصار سے ہے:

"وهى عشرون ركعة بعشر تسليمات." ترجمہ: اور وہ بیس رکعت ہے دس سلام سے۔ (ترجمہ از امجدی)

درروغرر میں ہے: "وهى خمس ترويحات لكل تسليمتان فتكون التسليمات عشرا." ترجمہ: اور اس میں پانچ ترویحہ ہیں، ہر ترویحہ میں دو سلام ہیں تو اس طرح کل دس سلام ہوگئے۔ (ترجمہ از امجدی)

فتاویٰ عبدالحیٔ ص ۲۲۰ پر ہے:

"مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں ابن عباس کی روایت ہے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى رمضان وغيره جماعة بعشرين ركعة والوتر وروى البيهقى فى سننه باسناد صحيح عن السائب بن

یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة۔"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں جماعت کے ساتھ بیس رکعت پڑھتے تھے اور وتر۔ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں اسنادِ صحیح سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ صحابہ کرام حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ماہِ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (ترجمہ از امجدی)

دار العلوم دیوبند کا فتویٰ بیس رکعت تراویح کے بارے میں فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۲۴۱ پر ہے: "جمہور حنفیہ تمام بیس رکعت تراویح کو سنت مؤکدہ فرماتے ہیں اور یہی محقق و راجح ہے۔"

اور اسی کے حاشیہ پر ہے کہ:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعت صحابہ کے اجماع سے تراویح رائج کیں۔ سوچنا یہ ہے کہ بغیر کسی اصل کے ایسا حکم آپ کیسے کر سکتے تھے۔ پھر مصنف ابن ابی شیبہ طبرانی اور بیہقی میں یہ حدیث موجود ہے جس کے راوی حضرت عبد اللہ بن عباس ہیں: "**رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر**۔" ایک راوی کی وجہ سے جو یقیناً عہدِ صحابہ کے بعد کے ہیں اسے ضعیف قرار دے کر بیس رکعت کا انکار کسی طرح درست نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو رمضان و غیر رمضان دونوں سے متعلق ہے اس سے استدلال کسی طرح درست نہیں۔ اس لیے کہ تراویح صرف دو تین رات پڑھی گئی پھر اس بیس رکعت والی حدیث کے ساتھ اجماعِ صحابہ ہے اور یہ مسلم ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی بدعت صرف سو سال سے غیر مقلدوں نے جاری کی ہے۔ اس سے پہلے تراویح آٹھ رکعت کہیں جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں۔ پھر حدیث عائشہ میں چار چار

رکعات ایک سلام سے مذکور ہے اور غیر مقلدین دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھتے ہیں۔ انتہی

اسی میں ص ۲۷۲ پر ہے: "بیس تراویح پر اجماع ہے اور احادیث سے ثابت ہے بیس بیس رکعت تراویح پڑھنی چاہیے فقط۔ (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی بیس رکعت تراویح پڑھی۔ مصنف ابن ابی شیبہ طبرانی اور بیہقی میں یہ حدیث موجود ہے۔ **رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر**۔ راوی عبد اللہ ابن عباس ہیں۔

اسی میں ص ۲۸۹ پر ہے:

سنت خلفائے راشدین بیس رکعت تراویح ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنت خلفائے راشدین کے اتباع کا حکم فرمایا ہے پس کہنا غیر مقلدین کا کہ بیس رکعت بدعت عمری ہے جہالت ہے۔"

اور شامی میں ہے:

"**قوله وهی عشرون رکعة هو قول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقا وغربا**۔" الغرض اس میں کچھ تامل نہیں ہے۔ **کما مر عن فتح القدیر**۔ پس حنفیہ کے لیے یہ دلیل کافی ہے پس اگر بالفرض یہ بات ثابت ہو کہ زمانہ رسول اللہ ﷺ میں بیس رکعت تراویح کا ہونا صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ سے تو بالاتفاق صحیح طریق سے ثابت ہے اور سنت خلفائے راشدین خود واجب الاتباع ہے پھر بیس رکعت کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

امداد الفتاویٰ جدید جلد اول فصل فی التراویح ص ۴۹۵ پر ہے:

"بیس کو سنت مؤکدہ لکھا ہے اس سے کم کا پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہوگا۔

غیر مقلدین کا فتویٰ بیس رکعت تراویح کے بارے میں اب سنئے! غیر مقلدین کے پیشوا ابن تیمیہ سے:

فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲، ص ۴۰۱ میں ہے:

"ان نفس قیام رمضان لم یوقت فیه النبی صلی الله علیه وسلم عددا معیناً بل کان هو صلی الله علیه وسلم لایزید علی ثلاث عشرة رکعة لکن کان یطیل الرکعات. فلما جمعهم عمر رضی الله تعالیٰ عنه علی أبی بن کعب کان یصلی بهم عشرین رکعة ثم یوتر بثلاث وکان یخفف القرأة بقدر مازاد من الرکعات لان ذلک اخف علی المأمورین من تطویل الرکعة الواحدة." ثم کان طائفة من السلف یقومون باربعین رکعة ویوترون بثلاث. وآخرون قاموا بست وثلاثین واوتروا بثلاث. وهذا کله سائغ فکیفما قام بهم فی رمضان من هذه الوجوه فقد احسن. ثم قال ابن تیمیة والافضل یختلف باختلاف احوال المصلین، فان کان فیهم احتمال لطول القیام بعشر رکعات وثلاث بعدها. کما کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی لنفسه فهو الافضل وان کانوا لایحتم ولونه فالقیام بعشرین افضل فهو الذی یعمل به اکثر المسلمین. فانه وسط بین العشرین وبین الاربعین وان کان باربعین وغیرها جاز ذلک، ولا یکره شئی من ذلک. وقد نص علی ذلک غیر واحد من الائمة کاحمد بن حنبل وغیره ومن ظن ان قیام رمضان فیه عدد موقت عن النبی صلی الله علیه وسلم لایزاد فیه ولا ینقص فقد اخطأ۔

اسی فتاویٰ ابن تیمیہ ج ا، ص ۱۴۸ میں ہے:

"ثبت ان أبی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء انه هو السنة لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر واستحب الآخرون تسعا و

ثلاثین بناء علی انه عمل اهل المدینة القدیم قالت طائفة. ثلاث عشرة رکعة واضطربوا فیه لما ثبت من سنة الخلفاء الراشدین وعمل المسلمین والصواب ان ذلک جمیعه حسن. کما نص علی ذلک الامام احمد وانه لم یوقت فی قیام رمضان عدد و حینئذ فتکون تکثیر الرکعات وتقلیلها بحسب طول القیام. فان النبی صلی الله علیه وسلم کان یطیل القیام باللیل، حتی ثبت عنه فی الصحیح انه کان یقرأ فی الرکعة بالبقرة وآل عمران والنساء، فکان طول القیام یغنی عن تکثیر الرکعات وأبی بن کعب لما قام بالمسلمین وهم جماعة واحدة فی زمن عمر بن الخطاب قام بهم عشرین رکعة لان طول القیام کان یشق علی الناس فکان تضعیف العدد عوضاً عن طول القیام وکان بعض السلف یقوم اربعین رکعة، هکذا فی الهدی النبوی ...... الصحیح فی صلاة التراویح للشیخ محمد علی الصابونی الاستاذ بکلیة الشریعة والدراسات الاسلامیة بجامعة ام القریٰ. مکة المکرمة.

اس کے ص ۱۴۱ پر ہے:

خاتمة البحث

و بعد فان مایفعله المسلمون الیوم فی مشارق الارض ومغاربها من صلاة التراویح عشرین رکعة، هو الحق الذی دلت علیه النصوص الکریمة، وهو الذی درج علیه السلف الصالح واجمع علیه الائمة الاعلام والذی اتفقت علیه الامة الاسلامیة، من خلافة عمر الفاروق رضی الله تعالیٰ عنه الی زماننا هذا. وصلاة التراویح عشرین رکعة هو ما یتفق مع هدی النبوة ولایخالف السنة النبویة الشریفة. لانه اتباع لامر الرسول صلی الله علیه وسلم فعلیکم

بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین ہل انہ یجمع الشمل ویدعوا الیوم وحدۃ المسلمین۔لاسیما وقد اجمع علیہ ائمۃ اھل العلم فی القدیم والحدیث۔"

ان مذکورہ بالا کتب احادیث کریمہ وکتب فتاوی فقہیہ اوران کے شروح وحواشی، بخاری شریف، ترمذی شریف، مشکوۃ شریف، موطا شریف، عمدۃ القاری، فتح الباری، ارشاد الساری، مرقاۃ، اشعۃ اللمعات، شرح معانی الآثار، نور الایضاح، مراقی الفلاح، حاشیہ مراقی الفلاح، قدوری، حاشیہ قدوری، شرح وقایہ، کنز الدقائق، حاشیہ کنز الدقائق، ہدایہ، حاشیہ ہدایہ، شرح ہدایہ فتح القدیر، کفایہ، عنایہ، المختار، در المختار، رد المحتار، در المنتقی، مجمع الانہر، فتاوی عالمگیریہ کتاب المیزان، کتاب الفقہ من المذاہب الاربعہ، فتاوی سراجیہ، بدائع الصنائع، فتاوی رضویہ، فتاوی امجدیہ، فتاوی عبدالحی، فتاوی دارالعلوم دیوبند وغیرہا سے آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن ومنور کہ تراویح کی رکعتیں بیس ہیں اور بیس ہی مؤکدہ اور سنت معین ہیں۔ اور یہی راجح، یہی افضل، یہی وسط، یہی معمول بہا، اسی پر خلفاء راشدین، امیر المؤمنین، غیظ المنافقین، اعدل الاصحاب، الموافق رأیہ بالوحی والکتاب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی، وامیر المؤمنین، امام المتصدقین، عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالی عنہ وامیر المؤمنین، امام الواصلین، دفاع المعضلات والمصائب علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم، ودیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کا اجماع واتفاق۔ آٹھ کی بدعت غیر مقلدین خذلہم المولی نے نکالی ہے۔

غیر مقلدین کہنی اور کرنی

مسلمانو! یہ اپنے کو اہل حدیث بنتے ہیں مگر ان کا عمل حدیث پر نہیں اگر حدیث پر ہوتا تو بیس پڑھتے کہ سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔" کہ میری سنت کے مطابق عمل

کرو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو اپناؤ۔ اور خلفائے راشدین نے بیس پڑھی اور یہ اس کے مخالف ہیں۔

شان عمر فاروق اعظم

ہدایت کے لیے یہ کافی تھا کہ بیس پر حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے مسلمانوں کو جمع کیا آپ کی بلند شان وہ ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہی آپ کا نام فاروق رکھا کہ اللہ تبارک وتعالی نے حق وباطل، ہدایت وضلالت کے درمیان فاروق بنایا۔ سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ۔" اللہ تعالی نے بلا شک وشبہ حق کو عمر کی زبان پر اور قلب پر کردیا اخرجہ الترمذی فی المناقب۔ سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "لقد کان فی من قبلکم من الامم محدثون، ای ملھمون، فان یکون فی احد فانہ عمر۔"

اقول: ہم وہ لوگ ہیں جو بولتے ہیں تو حق وصواب ہی بولتے ہیں کہ ان کا بولنا نور بصیرت سے ہوتا ہے۔ آپ کی شان وہ ہے کہ کئی مقام پر آپ کی رائے کے مطابق قرآن شریف کی آیتوں کا نزول ہوا۔ مقام ابراہیم، حجاب، بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ کی رائے کے مطابق نزول ہوا۔

اختلاف کے وقت کیا کرنا چاہیے؟

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"وانہ من یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ۔"

جو تم میں کا زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا تو اس وقت تم پر لازم ہے

میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کی پیروی اسے مضبوط دانتوں سے پکڑے رہنا۔

اور فرمایا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: "اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر۔" میرے بعد ابوبکر و عمر کی پیروی کرنا۔

قال عبداللہ ابن مسعود من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لاتؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ہذہ الامۃ أبرہا قلوبا واعمقہا علما۔ واقلہا تکلفا اختارہم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فأعرفوا لہم فضلہم واتبعوہم علی اثرہم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقہم وسیرہم فانہم کانوا علی الہدی المستقیم۔ اخرجہ ابن عبدالبر فی الجامع بیان العلم وفضلہ۔

ترجمہ: جو سنت پر عمل کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ ان نفوس قدسیہ کے نقش قدم پر چلے جو دنیا سے پردہ کر گئے ہیں، کیونکہ زندہ فتنہ کے اندیشہ سے مامون نہیں۔ اور پردہ کرنے والے نفوس قدسیہ جن کے نقش قدم پر چلنا چاہئے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام ہیں، جو امت محمدیہ میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں، نیک دل، زیادہ علم والے اور کم تکلف والے ہیں۔ جنہیں اللہ عز وجل نے اپنے نبی پاک کی صحبت اور اپنے دین متین کی اشاعت کے لئے منتخب فرمایا۔ تو تم ان کے فضل کو پہچانو، ان کے نقش قدم پر چلو اور ان کی سیرت و اخلاق کو جہاں تک ہو سکے اپناؤ۔ کیونکہ وہ سیدھے راستے پر تھے۔ (ترجمہ از: امجدی)

صحابہ کی سنت پر عمل کرنا حضور کی سنت پر عمل کرنا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی سنتوں پر عمل کرنا خاص کر سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنتوں کے مطابق عمل

کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی سنتوں پر عمل کرنا ہے اور ان کی سنت بیس رکعت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وھو الموفق بالحق والخیر والرشاد ومنہ الھدایۃ من الضلالۃ۔

یہ رسالہ عجالہ چند نشستوں میں اختتام کو پہنچا۔ "برکات المفاتیح فی رکعات التراویح" اس کا نام رکھا۔ خداوند کریم اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ و طفیل اسے مسلمانوں، انصاف پسندوں کے لیے نافع بنائے! آمین آمین آمین یارب العٰلمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین افضل الصلوات واکرم التسلیمات من خلاق الکائنات ورزاق الموجودات

محمد جیش محمد الصدیقی البرکاتی

شیخ الحدیث بالجامعۃ الحنفیۃ الغوثیۃ لاھل السنۃ والجماعۃ والواقعۃ بجنکفور، نیبال اقامہا اللہ تعالیٰ وادامہا غفرلہ ولوالدیہ ومشائخہ ومحبیہ بمنہ وکرمہ آمین بجاہ سید المرسلین یا ارحم الراحیم۔

وقع الفراغ سادس من شوال المکرم لیلۃ الجمعۃ المبارکۃ بعد العشاء سنۃ الف واربعمائۃ وعشرین ھجریۃ علی صاحبہا وآلہ افضل الصلوات والتحیۃ آمین والحمد للہ رب العٰلمین۔

★★★